فروری ۲۰۰۳ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ندائے خلافت کے تین خصوصی شمارے

(۱) سقوط مشرقی پاکستان نمبر

☆ پاکستان کیسے ٹوٹا؟ پاکستان توڑنے کا ذمہ دار کون؟
☆ 7 دسمبر 1970ء سے 16 دسمبر 1971ء تک سانحہ مشرقی پاکستان کی تاریخ وار روداد
☆ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کے سامنے گورنر ایڈمرل ایس ایم احسن کا بیان
☆ مجیب الرحمٰن کے قتل کی کہانی —— حسینہ واجد کی زبانی

یہ سب ندائے خلافت کے ''سقوط مشرقی پاکستان نمبر'' میں پڑھیے:

صفحات 68 ...... قیمت 20 روپے

☆☆☆

(۲) فلسطین نمبر

☆ تنازعہ فلسطین کا تاریخی پس منظر'
☆ موجودہ سنگین صورت حال ...... اور فلسطین کا مستقبل جیسے موضوعات پر مشتمل ایک دستاویز

96 صفحات ...... قیمت: 35 روپے

☆☆☆

(۳) پیام اقبال بنام نوجوانان ملت

☆ سال اقبال کے حوالے سے علامہ اقبال کے حضور ہدیہ عقیدت
☆ اقبال کا انقلابی و آفاقی پیغام جس میں موجودہ حالات کے حوالے سے امت مسلمہ' مسلمانانِ پاکستان اور بالخصوص نوجوانوں کیلئے دعوت فکر و عمل ہے' پیام اقبال کا موضوع ہے

صفحات: 86 ...... قیمت 50 روپے

ملنے کا پتہ: **مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور**

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون 03-5869501

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد:	۵۲
شمارہ:	۲
ذوالحجہ	۱۴۲۳ھ
فروری	۲۰۰۳ء
فی شمارہ	-/۱۲

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

☆ اندرون ملک	125 روپے
☆ ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ	800 روپے
☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ	1000 روپے

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700' فون 03-02-5869501
فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن - طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

✿ **عرض احوال** ______________ ۳

حافظ عاکف سعید

✿ **تذکرہ و تبصرہ** ______________ ۹

حضرت شیخ الہندؒ، مولانا مدنیؒ اور بانیٔ تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **منبر و محراب** ______________ ۱۷

''وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ''

حیاتِ دُنیوی کی ایک عظیم حقیقت

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **منتخب نصاب ۔۲** ______________ ۴۲

اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے اوصاف (۲)

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **دعوت و تحریک** ______________ ۶۳

ہمارا دینی و تحریکی فکر اور اس کے تقاضے

اور امریکی معاشرہ میں دعوت و اقامت دین کے کام کی ممکنہ عملی صورت

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **منہاج المسلم** (۲۷) ______________ ۷۴

مخلوق سے تعلق کے آداب

علامہ ابوبکر الجزائری

✿ **تذکیر و موعظت** ______________ ۸۵

تباہی کے اس دور میں مسلمانانِ عالم کیا کریں

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

❁ ❁ ❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

باوثوق ذرائع سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق ایران کے قابل احترام صدر حجتہ الاسلام محمد خاتمی نے اپنے حالیہ دورۂ بھارت کے موقع پر باہمی تعاون کے ضمن میں جن متعدد معاہدات پر دستخط کئے ہیں ان میں دفاعی معاہدہ بھی شامل ہے۔اس معاہدے کی رُو سے پاک بھارت جنگ کی صورت میں ایران بھارت کو فوجی اڈے فراہم کرنے کا پابند ہو گا۔ گویا پاکستان کے مقابلے میں اس کی حمایت کا پلڑا بھارت کے حق میں جھکے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس اطلاع پر یقین کرنے کو دل تو آمادہ نہیں ہوتا لیکن ایران کی حکومت کی جانب سے تا حال اس کی تردید بھی سامنے نہیں آئی۔

یہ صورتِ حال جہاں ہماری خارجہ پالیسی کی ناکامی کا واضح ثبوت فراہم کرتی اور اس اندیشہ کو تقویت پہنچاتی ہے کہ ہم نے ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگا کر عملاً برادر ہمسایہ اسلامی ممالک سے خود کو کاٹ لیا ہے' وہیں مسلم اُمہ کی حالت زار اور بین الاقوامی معاملات میں مسلم ممالک کے سیاسی قائدین کی کوتاہ نظری اور بے بصیرتی کا پتہ بھی دیتی ہے۔ امتِ مسلمہ کے خلاف امریکہ جیسی سپر پاور کے ناپاک عزائم اب کسی سے مخفی نہیں۔ صدر امریکہ جارج ڈبلیو بش عالم اسلام کے خلاف ننگی جارحیت کا آغاز کر چکا ہے۔ افغانستان کو وحشت و بربریت کا نشانہ بنانے کے بعد اب عراق کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے۔ عراق کے علاوہ جو دیگر اسلامی ممالک امریکہ کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں ان میں ایران اور پاکستان سرفہرست ہیں۔ انہی میں اب سعودی عرب کا نام بھی شامل ہو چکا ہے۔ ان حالات کا لازمی منطقی تقاضا یہ تھا کہ مسلم ممالک امریکہ اور اس کے مذموم عزائم کے مقابلے میں متحد و متفق ہو جاتے اور دشمن کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے سر جوڑ کر کوئی مشترک لائحہ عمل وضع کرتے۔ لیکن افسوس ہے کہ عالم اسلام کے سیاسی رہنما تا حال عالمی شیطانی قوتوں سے ناطہ جوڑنے اور بتوں سے امیدیں وابستہ کرنے کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں ___ ہمیں حیرت ہے کہ وہ ایران جس کے باشندوں نے اپنے عظیم انقلابی رہنما امام خمینی کی قیادت میں آج سے ربع صدی قبل امریکہ سے ٹکر لی تھی' آج

امریکی دھمکی کے سامنے گھٹنے ٹیکتا اور اسلام کے ازلی دشمنوں یعنی مشرکین اور ہنود کے ساتھ دفاعی معاہدے کرتا نظر آتا ہے ـــــ کون نہیں جانتا کہ بے پناہ جنگی قوت کے نشے میں چور بپھرے ہوئے امریکی عفریت کی پشت پر سوار اصل مخفی طاقت یہود کی ہے جس کا بے رحم پنجہ امریکہ سمیت پورے فرنگ کی رگ جاں کو دبوچے ہوئے ہے ـــــ اور یہ بھی اب کوئی راز نہیں رہا کہ یہود و ہنود کا باہمی گٹھ جوڑ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہے۔
ان حالات میں ایرانی صدر کا بھارت کی واجپائی حکومت کے ساتھ دفاعی معاہدہ کرنا قطعی طور پر نا قابل فہم ہی نہیں، جسدِ ملی پر کاری ضرب لگانے کے مترادف ہے ـــ حالانکہ دوسری جانب یہی ایران اب تک پوری جرأت مندی کے ساتھ اسرائیل کے خلاف حزب اللہ اور تحریکِ آزادیٔ فلسطین کی حمایت کرتا رہا ہے اور اسی بنا پر صدر بش نے اسے ''برائی کا محور'' قرار دے کر اس کے خلاف اقدام کا راستہ ہموار کیا ہے ـــــ بہرکیف موجود الوقت حالات میں پاکستان اور ایران سمیت تمام مسلم ممالک کی سیاسی قیادتوں کو اپنا قبلہ درست کرنا اور اپنی ترجیحات کو صحیح طور پر ترتیب دینا ہوگا۔ اگر مسلم ممالک ''سب سے پہلے اسلام'' کا عملی ثبوت فراہم نہیں کرتے اور باہم اتحاد کی برکت سے خود کو مضبوط نہیں بناتے تو یکے بعد دیگرے انہیں امریکی بھیڑیئے کا تر نوالہ بننے سے دنیا کی کوئی طاقت بچا نہیں سکے گی۔

☆ ☆ ☆

صدر جنرل پرویز مشرف کے نام ایک کھلا خط

موجودہ حالات کی سنگینی ہر باشعور شخص پر عیاں ہے اور ہر سوچنے سمجھنے والا شخص ان حالات سے نکلنے کی کوئی نہ کوئی تدبیر اپنے ذہن میں رکھتا ہوگا۔ ذیل میں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا صدر پاکستان کو ارسال کردہ ایک کھلا خط ''اَلدِّینُ النَّصِیحَة'' کے جذبے کے تحت ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے، جس میں قرآن وسنت کی روشنی میں موجودہ حالات میں اللہ کی تائید ونصرت کے حصول کے لئے راہ عمل کی نشاندہی کی گئی ہے۔

جنابِ صدر! السلام علیکم!

پاکستان کے سب سے زیادہ کثیر الاشاعت روزنامے کی کل کی شہ سرخی کے مطابق

آپ نے فرمایا ہے کہ: ''کوشش کریں گے کہ عراق کے بعد پاکستان کا نمبر نہ ہو!''۔
اسے دیکھ کر خیال آیا کہ آپ کو یاد دلاؤں کہ ۱۶ ستمبر ۲۰۰۱ء کی سہ پہر علماء و مشائخ کے اجتماع
میں مَیں نے آپ کی خدمت میں روبرو عرض کیا تھا کہ:

''اوّلاً — طالبانِ افغانستان کے خلاف امریکہ کی مدد عدل و انصاف کے مسلّمہ اصولوں سے غداری ہے۔ اس لئے کہ تاحال امریکہ اس امر کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کر سکا ہے کہ نیویارک اور واشنگٹن میں ۱۱ ستمبر کو پیش آنے والے حوادث میں اسامہ بن لادن یا القاعدہ کا کوئی ہاتھ ہے! (اور یہ بات اس اجتماع میں شریک جملہ علماء و مشائخ نے بھی بلا استثناء کہی تھی!) پھر یہ غیرت و حمیت کے بھی خلاف ہے کہ ہم کل تک جن کے دوست اور معاون تھے نہ صرف یہ کہ ان سے دفعتہً نگاہیں پھیر لیں بلکہ ان کے دشمنوں کے آلۂ کار بھی بن جائیں۔ مزید برآں یہ اسلام کے احکام سے بھی بغاوت ہے کہ ایک مسلمان قوم کے خلاف کفار کا ساتھ دیا جائے!'' — ثانیاً مَیں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ: ''جن مصلحتوں کے پیشِ نظر آپ اس وقت یہ طرزِ عمل اختیار کر رہے ہیں وہ بالکل عارضی ہیں — چونکہ اس کی پشت پر اصلاً یہودی سازش کارفرما ہے' لہٰذا جلد یا بدیر ہمارا نمبر بھی آ کر رہے گا اور بالخصوص ہماری ایٹمی صلاحیت پر تو ہلّہ بول ہی دیا جائے گا!''

اللہ کا شکر ہے کہ اب آپ نے بھی خطرے کی شدت نہ صرف یہ کہ محسوس کر لی ہے بلکہ ایک فوجی کے روایتی انداز میں اس کا برملا اظہار بھی کر دیا ہے! (اگرچہ یہ دنیا کی مروّجہ ڈپلومیسی کے انداز کے خلاف ہے!)۔ ان ہی ایام میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''ہمیں اپنی جنگ خود لڑنی ہوگی۔ باہر سے کوئی مدد کے لئے نہیں آئے گا''

تو خدارا! اب بھی ہوش میں آئیں!

امریکہ اور اس کے حواریوں' مزید برآں اس کے بغل بچے اسرائیل اور سب سے بڑھ کر جنوبی ایشیا میں اس کے نئے اسٹریٹجک پارٹنر بھارت کی متحدہ قوت کے مقابلے میں ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے — اور حالات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اب چین سے بھی کوئی توقع نہ رکھی جائے — چنانچہ ہمارے لئے واحد راستہ یہ ہے کہ ہم اللہ کی تائید و نصرت کے حصول کی بھرپور کوشش کریں! جس نے خود فرمایا ہے کہ: ﴿اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ

فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ﴾ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۶۰) یعنی: ''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا ـــــ اور اگر وہی تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے گا؟''

اور اللہ کی مدد اور نصرت کے حصول کے لئے لازم ہے کہ:

(۱) اسلام کے نظامِ عدل اجتماعی کے تقاضے پورے کرنے کے لئے:

(i) کم از کم اندرونِ ملک سود کو ایک دم ختم کر دیا جائے تا کہ اللہ سے ہماری جنگ ختم ہو جائے ـــــ جن لوگوں کی رقوم سودی اسکیموں میں لگی ہوئی ہیں انہیں یہ آپشن دے دیا جائے کہ چاہے تو انہیں اکویٹی شیئرز میں تبدیل کرا لیں ـــــ اور چاہیں تو تدریجاً واپس وصول کر لیں ـــــ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چاہیں تو سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۰ کے مطابق ملک وملت کو ''صدقہ'' کر کے آخرت میں ہزار گنا نفع حاصل کر لیں! غیر سودی بینکنگ کے لئے متعدد کمیٹیوں کی تجویز کردہ تجاویز سے میں کسی ایک کے نفاذ سے آغاز کیا جا سکتا ہے پھر تدریجاً اس میں اصلاح کا عمل جاری رہ سکتا ہے!

(ii) پاکستان کی اراضی کو ''خراجی'' قرار دے کر جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا خاتمہ کر دیا جائے ـــــ تا کہ ملک کی نصف سے زیادہ آبادی کو معاشی انصاف میسر آ سکے۔ اس کے لئے جب یہ طے ہو جائے کہ یہ اراضی انفرادی ملکیت نہیں ہیں بلکہ امت مسلمہ کی اجتماعی ملکیت ہیں تو نئی زرعی اصلاحات بلکہ ایک بالکل نئے بندوبست اراضی کی راہ میں میں کوئی شے حائل نہیں رہے گی!

(۲) پاکستان میں مروّجہ قوانین کو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے (یعنی ''اسلامائز'' کرنے) کے لئے:

(i) موجودہ دستور کی دفعہ ۲۲۷ کو قرارداد مقاصد کے ساتھ دفعہ ۲۔ب کی حیثیت سے منسلک کر دیا جائے ـــــ اور اس کا تعلق ''اسلامی نظریاتی کونسل'' سے منقطع کر کے بالکلیہ فیڈرل شریعت کورٹ کے ساتھ قائم کر دیا جائے! اسلامی نظریاتی کونسل کو بالکل ختم کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے قیام کے بعد یہ قطعاً زائد از ضرورت ہے!

(ii) فیڈرل شریعت کورٹ میں جید اور مجتہدانہ صلاحیت کے حامل علماء کو ججوں کی حیثیت سے تعینات کیا جائے' جس کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل ہی کے ارکان میں سے لوگ منتخب کئے جا سکتے ہیں۔ نیز فیڈرل شریعت کورٹ کے جج حضرات کا مرتبہ اور شرائط ملازمت ہائی کورٹس کے ججوں کے مساوی کی جائیں! اور اس کے فیصلوں' بلکہ سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کے فیصلوں پر بھی نظر ثانی کی وسیع گنجائش رکھی جائے!

ان ابتدائی اقدامات کے ذریعے ہمارا سفر اس منزل کی جانب شروع ہو سکتا ہے جس کے لئے پاکستان قائم کیا گیا تھا ـــــ پھر جس طرح رمضان مبارک کی ستائیسویں شب کو پاکستان معجزانہ طور پر ''نازل'' ہوا تھا اسی طرح اب دوبارہ ان شاء اللہ معجزانہ طور پر ہی اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے از سرِ نو مستحکم ہو جائے گا اور دشمنانِ اسلام کے عزائم کو خاک میں ملانے کے لئے اپنا خصوصی کردار ادا کر سکے گا!

اس کے ساتھ ہی ـــــ پورے ادب و احترام کے ساتھ میری درخواست

ایم ایم اے کی قیادت

سے بھی ہے کہ انہیں جو موقع اللہ تعالیٰ نے صوبہ سرحد میں عطا فرمایا ہے اس سے تو بھرپور فائدہ اٹھائیں اور ایک جانب سادگی اور کفایت شعاری کا خلافت راشدہ اور طالبان افغانستان کا سا نمونہ پیش کریں اور دوسری جانب صوبائی سطح پر جس قدر بھی نفاذِ شریعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہوا جا سکتا ہو اس کا جلد از جلد آغاز کر دیں! اور بحمد اللہ اس سمت میں مناسب ابتدا ہوتی نظر آ رہی ہے!

لیکن مرکزی حکومت کی سطح پر

جمہوریت کی مکمل بحالی کی مساعی کو اصلاً اے آر ڈی کے حوالے کر کے خود کو صرف ان کی تائید کرتے ہوئے' اور اقتدار میں شراکت سے بالکل کنارہ کش ہو کر اپنی تمام تر توجہات کو کلیۃً میرے پیش کردہ خطوط پر بلکہ اپنی مجتہدانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے ان سے بہتر امور کے ضمن میں آئینی و قانونی سطح پر تبدیلیوں پر مرکوز کر دیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی کو مشکور فرمائیں!

خاکسار **اسرار احمد** عفی عنہ

حکومت پنجاب کو مبارک باد

تنظیم اسلامی، حکومت پنجاب کو ہدیۂ تبریک پیش کرتی ہے کہ اس نے

شادی بیاہ کی تقریبات

کے سلسلے میں ان تمام تجاویز کو قبول کرلیا ہے جس کے لئے تنظیم کے بانی

ڈاکٹر اسرار احمد

نے گزشتہ تیس سال سے تحریک چلا رکھی ہے.........یعنی

(1) شادی کے سلسلے میں دعوت صرف ایک ہے جو مسنون بھی ہے اور جس کی تاکید بھی نبی اکرم ﷺ نے کی ہے، یعنی ''ولیمہ''۔ اس کی اجازت ایک اچھا اقدام ہے___ البتہ ون ڈش اور مہمانوں کی تعداد پر پابندی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ایک میٹھی ڈش کی بھی اجازت ہونی چاہئے!

(2) ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے عام تلقین کی جائے کہ نکاح مسجد میں منعقد کئے جائیں۔ اس لئے کہ اس کے لئے نبی اکرم ﷺ کا ایک حکم بھی ترمذی شریف میں موجود ہے کہ'' نکاح کا اعلان عام کیا کرو اور اسے مسجدوں میں منعقد کیا کرو!'' مزید برآں نکاح کے مسنون خطبے کا ترجمہ بھی جملہ حاضرین کو سنایا جانا چاہئے۔

(3) جہیز خالص ہندوانہ رسم ہے جن کے یہاں وراثت میں لڑکی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ جبکہ اسلام میں لڑکی بھی وراثت کی حق دار ہے___ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کے لئے جو سامان تیار کرایا تھا وہ جہیز نہیں تھا بلکہ ان کے مہر کی رقم سے تھا جو حضرت علیؓ نے پیش کی تھی! اس کی نمائش پر تو فوری پابندی لگا دی جائے۔ ویسے ذرائع ابلاغ کے ذریعے اس کے خاتمے کی کوشش کی جائے۔

تذکرہ و تبصرہ

حضرت شیخ الہندؒ ، مولانا مدنیؒ اور بانیٔ تنظیم اسلامی

——— ڈاکٹر اسرار احمد ———

ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' جامعہ مدنیہ لاہور کا جریدہ ہے۔ اس جامعہ کے مؤسس و مہتمم اور شیخ الحدیث مولانا سید حامد میاںؒ تھے ——— جو مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلیفۂ مجاز بھی تھے اور ایک جید عالم دین ہونے کے علاوہ اصولِ تمدن و سیاست پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اور جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے پاکستان کی سیاست میں بھی عملاً حصہ لیتے تھے۔ ''انوارِ مدینہ'' کی اشاعت بابت جنوری ۲۰۰۲ء میں مولانا سید حامد میاں کے صاحبزادے سید محمود میاں نے ۹ر دسمبر ۲۰۰۲ء کے واقعے کے ضمن میں مجھ پر جو ''عنایات'' فرمائی ہیں وہ کم از کم مولانا سید حامد میاںؒ کے فرزند کے شایانِ شان نہیں ہیں!

انہوں نے آخر میں یہ تو لکھ دیا کہ: ''جب میرا بچپن تھا اس وقت سے ڈاکٹر صاحب موصوف کی والدِ گرامی حضرت اقدس سید حامد میاں نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں نیاز مندانہ آمد و رفت تھی''۔ مگر اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ یہ تعلق ہرگز یک طرفہ نہیں تھا بلکہ مولانا سید حامد میاںؒ بھی مجھ پر انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ چنانچہ جس زمانے میں میری تاسیس کردہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام سالانہ قرآن کانفرنسیں منعقد ہوتی تھیں حضرت مولاناؒ ہر بار ایک خصوصی مقالہ عنایت فرماتے تھے جسے مولوی محمود میاں کے برادر بزرگ مولوی رشید میاں پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ مزید برآں جب میں نے مولانا حامد میاںؒ کے سامنے اپنی یہ رائے بیان کی کہ میرے نزدیک چودھوی صدی کے مجدد اعظم حضرت شیخ الہندؒ تھے ——— تو مولاناؒ نے صدفی صد اتفاق فرمایا اور نہایت تحسین آمیز انداز میں فرمایا کہ: ''حیرت ہوتی ہے کہ ہم میں سے کسی کی نگاہ ادھر کیوں نہ گئی۔ ہمارے یہاں کچھ لوگ حضرت تھانویؒ کو اس مقام و

مرتبہ کا حامل سمجھتے رہے' اور کچھ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو!'' —— مزید برآں جب ۱۹۷۷ء میں ہم نے تنظیم اسلامی کی تنظیمی اساس کے طور پر ''بیعت'' کی منصوص و مسنون و ماثور بنیاد کو اختیار کیا اور اس کا کچھ عرصے بعد اخبارات کے علاوہ ٹی وی کے ایک پروگرام ''روبرو'' میں بھی تذکرہ ہوا —— اور بعض علماء کی جانب سے اس پر تنقید ہوئی تو مولانا سید حامد میاںؒ ہی نے میری جانب سے مدافعت کی تھی اور اس ضمن میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے فرزند مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مقیم لندن کے نام ایک مفصل خط بھی تحریر فرمایا تھا! —— اور یہ سب کچھ اس کے باوجود کہ مولانا حامد میاںؒ کو خوب معلوم تھا کہ میں جمعیت علماء ہند کی اس حکمت عملی سے شدید اختلاف رکھتا تھا جو مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی قیادت میں اختیار کی گئی تھی!

اب ایک جانب والد ماجد کا یہ طرزِ عمل —— اور دوسری جانب ان کے صاحبزادے کا یہ انداز کہ صرف طنز و استہزاء ہی نہیں تحقیر و تذلیل بھی ہے —— یہاں تک کہ نیت پر حملہ بھی! —— تو اس پر اس کے سوائے اور کیا عرض کیا جائے کہ ع
''زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن!''

یہ بات میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ چونکہ میں نے کسی عربی مدرسے سے تعلیم حاصل نہیں کی لہٰذا معروف معنی میں میں نہ دیوبندی ہوں' نہ بریلوی' نہ اہلحدیث —— البتہ میری دینی تربیت میں سب سے زیادہ اثر میری والدہ ماجدہ مرحومہ کا ہے —— اور ان کے اسلاف کا گہرا قریبی تعلق خانوادۂ ولی اللہیؒ کے ساتھ تھا۔ چنانچہ ان کے اجداد میں سے مولوی محمد ابراہیمؒ اور مولوی محمد اسماعیلؒ اور مولوی محمد اسحٰقؒ —— دہلی کے اسی قبرستان مہندیاں میں دفن ہیں جہاں خانوادۂ ولی اللہی کے عظیم فرزند! —— چنانچہ فطری طور پر میرا میلان طبع علمائے دیوبند کی جانب ہو گیا۔

پھر جب ۱۹۶۵ء میں میں گیارہ سال کی غیر حاضری کے بعد اپنے پیش نظر احیائی جدوجہد کے آغاز کے لئے واپس لاہور آیا تو اگرچہ میں نے نیازمندانہ تعلق مولانا محمد حسین نعیمیؒ کے ساتھ بھی قائم کیا جو بریلوی مکتب فکر کے معروف عالم دین تھے۔ لیکن میرا

زیادہ رجحان مولانا احمد علی لاہوریؒ کے قائم کردہ ادارے کے سربراہ اور ان کے جانشین مولانا عبید اللہ انورؒ اور مولانا سید حامد میاںؒ کی جانب ہوگیا۔ ان میں سے مقدم الذکر سے ایک نسبت خصوصی یہ تھی کہ میں بھی اپنے مشن کا آغاز قرآن کے درس و تدریس سے کر رہا تھا' اور مجھے معلوم تھا کہ اسی ارض لاہور میں یہی کام حضرت مولانا احمد علیؒ چالیس سال تک کرتے رہے تھے! (بعد میں یہ معلوم کر کے تو مجھے بہت ہی مسرت اور انشراح صدر ہوا تھا کہ لاہور میں میرے درس قرآن کا آغاز جس مسجد سے ہوا یعنی مسجد خضراء سمن آباد' اس کا سنگ بنیاد حضرت لاہوریؒ ہی کا رکھا ہوا تھا!) ـــــ تاہم چونکہ مولانا عبید اللہ انورؒ نے اپنی سرگرمی صرف ذکر و شغل تک محدود کر لی تھی اور صوفیاء کرام کی روایت کے مطابق زیادہ تر ''روپوش'' رہتے تھے' لہٰذا عملاً میری آمد و رفت اور استفادہ کا تعلق مولانا سید حامد میاںؒ کے ساتھ قائم رہا ـــــ یہاں تک کہ وہ تنظیم اسلامی کے حلقۂ مستشارین میں بھی شامل رہے اور بعض مسائل میں انہوں نے میری آراء پر گرفت بھی فرمائی جو من و عن تنظیم کے جریدے ماہنامہ ''میثاق'' میں شائع کی گئی! ـــــ

اور اب آیئے حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا مدنیؒ کی نسبت کی جانب! جس کے ضمن میں مولوی محمود میاں نے تحریر فرمایا ہے کہ: ''حضرت شیخ الہندؒ کے مسلّم جانشین ان کی روایات کے امین مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیزار (؟) ہو کر ڈاکٹر صاحب اپنے کو حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک سے کیسے وابستہ کر سکتے ہیں'' تو اس سلسلے میں یہ بات پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ میرے نزدیک حضرت شیخ الہندؒ چودھویں صدی ہجری کے مجدد اعظم اور الف ثانی کے اس سلسلہ مجددین کی آخری کڑی تھے جو ارض ہند میں وارد ہوئے ـــــ یعنی گیارھویں صدی کے مجدد حضرت شیخ احمد سرہندیؒ' بارھویں صدی کے شاہ ولی اللہ دہلویؒ' تیرھویں صدی کے سید احمد شہید بریلویؒ ـــــ اور چودھویں صدی کے حضرت شیخ الہندؒ ـــــ (اور اب پندرھویں صدی میں تو میرے گمان کے مطابق ان شاء اللہ سلسلۂ مجددین کی آخری اور کامل کڑی حضرت مہدی موعود ہوں گے جن کا

ظہور سرزمین عرب میں ہوگا!) ـــــ اور جس طرح شاہ ولی اللہ دہلوی کا تجدیدی کارنامہ زیادہ تر علمی تھا چنانچہ ان کی جامعیت کبریٰ کی مظہر ان کی تصانیف ہیں' اگرچہ ملکی حالات پر بھی ان کی گہری نگاہ تھی اور انہوں نے ہی مرہٹوں کا زور توڑنے کے لئے احمد شاہ ابدالی کو افغانستان سے بلایا تھا۔ اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ کا تجدیدی کارنامہ بھی زیادہ تر تعلیم و تدریس اور اصلاح و ارشاد کے میدان میں ظاہر ہوا ـــــ تاہم استخلاصِ وطن کے لئے عملی جدوجہد میں بھی ان کا بہت نمایاں بلکہ بلاشبہ قائدانہ حصہ رہا ہے ـــــ اور ان کی جامعیت کبریٰ کے مظہر ان کے شاگرد ہیں جن کے مزاج اور میدانِ کار کا تنوع حیرت انگیز ہے۔ یعنی علم تفسیر میں ان کے جانشین مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تھے' تو علم حدیث و فقہ میں یہی حیثیت مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ کو حاصل تھی۔ اسی طرح ان کی اندرونی شخصیت کی ''انقلابیت'' کی مظہرِ اتم شخصیت مولانا عبید اللہ سندھی کی تھی' تو زہد و ورع اور استخلاصِ وطن اور دار العلوم دیوبند میں درس و تدریس کے میدان میں ان کے جانشین کی حیثیت مولانا مدنیؒ کو حاصل ہوئی ـــــ اور یہ میرے نزدیک ایک بہت بڑی تاریخی غلطی تھی!!

مولانا مدنیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے شیدائی تھے اور چار سالہ اسارتِ مالٹا کے دوران انہوں نے اپنے شیخ کی جو خدمت کی اس کی نظیر شاید ہی نظر آ سکتی ہو۔ لیکن ہندوستان واپسی پر مختصر عرصۂ حیات میں حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے خطبات کی تحریر مولانا مدنیؒ سے نہیں بلکہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے کرائی (خطبہ علی گڑھ کی بھی اور دوسرے سالانہ اجلاس جمعیت علماء ہند کے خطبۂ صدارت کی بھی!) ـــــ پھر اسی اجلاس میں ''امام الہند'' کا خطاب دے کر جس شخص کی بیعت پر علماء کو آمادہ کرنے کی بھرپور کوشش حضرت شیخ الہندؒ نے کی وہ بھی مولانا مدنیؒ نہیں مولانا ابوالکلام آزاد تھے! ـــــ لہٰذا تحریک استخلاصِ وطن' تحریک حفاظتِ خلافت عثمانیہ' اور تحریک تجدید و احیاء و غلبۂ دین سب کے اعتبار سے حضرت شیخ الہندؒ کے جانشین اور ''خلیفۂ مجاز'' کی حیثیت مولانا آزاد کو حاصل ہے! جن کے ہاتھ پر خود بیعت کرنے کی خواہش وہ اپنے

ساتھ ہی قبر میں لے گئے! ——— یہ دوسری بات ہے کہ علماء نے اپنی تنگ نظری اور گروہی عصبیت کے زیر اثر حضرت شیخ الہندؒ کی اس تجویز پر غور کو عارضی طور پر تو ملتوی کر دیا ——— لیکن پھر جب کچھ عرصہ بعد جمعیت علماء ہند ہندوستان کے جملہ مذہبی مکاتب فکر کی جامع اور نمائندہ جماعت نہ رہی بلکہ صرف دیوبندی علماء کی تنظیم بن کر رہ گئی تو اس پورے معاملے کو ایسے دفن کر دیا کہ آج اس کا سراغ بھی تاریخ کے صفحات میں بہت ہی تلاش و تفتیش کے بعد مل سکتا ہے! (جس کے لئے ملاحظہ ہو میری تالیف: ''جماعت شیخ الہندؒ اور تنظیم اسلامی!'') ——— دوسری جانب مولانا آزاد نے بھی کم ہمتی کا ثبوت دیا اور علماء کی تنگ نظری اور جمود سے بددل ہو کر ''حکومتِ الٰہیہ'' کے قیام کے نصب العین اور اس کے لئے بیعت کی اساس پر قائم کردہ ''حزب اللہ'' کی بساط لپیٹ کر ایک طرف رکھ دی اور خود صرف استخلاصِ وطن کی جدوجہد کے لئے انڈین نیشنل کانگریس میں باضابطہ شمولیت اختیار کر لی ——— بہر حال مجدد عصر کی تجویز کو رد کر دینے کی سزا طبقہ علماء کو یہ ملی کہ ملت اسلامیہ ہندیہ کی قیادت علماء سے سلب کر کے جدید تعلیم یافتہ طبقات کے حوالے کر دی گئی۔

اب ذرا ایک نظر اس امر پر بھی ڈال لیجئے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے امام الہند کا منصب اپنے تلامذہ و مسترشدین کے حلقے کی کسی شخصیت کی بجائے مولانا آزاد کے لئے کیوں تجویز کیا تھا ——— اس کی دو بنیادی وجوہات تھیں:

(ا) مولانا آزاد نے ۱۹۱۲ء سے 'الہلال' اور پھر 'البلاغ' کے ذریعے دعوت رجوع الی القرآن کا جو غلغلہ بہت زور و شور سے بلند کیا تھا اس سے حضرت شیخ الہندؒ بہت متاثر ہوئے تھے اور انہیں محسوس ہو گیا تھا کہ ''کرنے کا اصل کام'' وہی ہے جس کی دعوت یہ نوجوان دے رہا ہے۔ (۱۹۱۲ء میں مولانا آزاد کی عمر کل چوبیس برس تھی!) ——— چنانچہ یہی وجہ تھی کہ حضرت شیخ الہندؒ ان دونوں جریدوں سے بھی بہت لگاؤ رکھتے تھے اور ۱۵-۱۹۱۴ء کے آس پاس مولانا آزاد کا ربط ضبط بھی حضرت شیخ سے بہت بڑھ گیا تھا۔ جس کا ایک ہلکا سا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۱۵ء میں کانپور کی

مسجد کے ایک حصے کے شہید کئے جانے پر جو ہنگامہ ہوا تھا اور اس کے نتیجے میں حکومتِ وقت اور مسلمانوں کے مابین شدید کشیدگی پیدا ہوئی گئی تھی' اس کے ضمن میں مسلمانوں اور بالخصوص علماء دیوبند کی دلجوئی کے لئے یو پی کے انگریز لیفٹیننٹ گورنر نے دارالعلوم دیوبند کا دورہ رکھا جس کے دوران اسے دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ سے خطاب بھی کرنا تھا ـــــ لیکن ساتھ ہی اس نے یہ پابندی بھی لگادی کہ اس جلسے میں ابوالکلام آزاد شریک نہ ہوں اور دارالعلوم کی انتظامیہ نے اس شرط کو قبول کرلیا تو ـــــ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی جلسے میں شرکت سے انکار کردیا ـــ اور جب کچھ بزرگوں نے سمجھانے بجھانے کی کوشش کی کہ ''آپ ایک نوجوان کو کیوں اس قدر اہمیت دے رہے ہیں!'' تو حضرت شیخ نے جواباً یہ شعر پڑھا۔

کامل اس طبقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے!

پھر یہی سبب تھا اس کا کہ جب ۱۹۲۰ء میں شیخ الہندؒ مالٹا کی اسیری سے رہا ہوکر ہندوستان واپس آئے اور دارالعلوم دیوبند میں علماء کا ایک بڑا جلسہ ہوا تو اس میں انہوں نے فرمایا:

''ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں۔'' یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہوگیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اسّی سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں۔ فرمایا کہ:

''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا' دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی' اس لئے مَیں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے' بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کئے جائیں' بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے' اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔'' (بحوالہ ''وحدت ملت'' تالیف مولانا مفتی محمد شفیعؒ)

(۲) اور دوسرا اور اہم تر سبب یہ تھا کہ ۱۹۱۵ء میں جب حضرت شیخ کے حلقے میں ہندوستان کی آزادی کے ضمن میں اس تجویز پر گفت وشنید ہو رہی تھی کہ ایک طرف ہندوستان میں ہم علَمِ بغاوت بلند کریں اور دوسری طرف ''خلافتِ عثمانیہ'' اور امارتِ افغانستان سے درخواست کی جائے کہ وہ حملہ کریں تاکہ اس دوہری یورش سے برطانوی حکومت عہدہ برآ نہ ہو سکے تو اُس وقت مولانا آزاد نے حضرت شیخؒ سے کہا تھا کہ —— ''حضرت! اب زمانہ بدل گیا ہے' اب نہ کوئی مدد آپ کو خلافت عثمانیہ سے ملے گی نہ امارت کابل سے' بلکہ آپ کو یہیں ہندوستان میں بیٹھ کر عوامی تحریک چلانی ہوگی!'' تو اس وقت تو جذبات کے جوش و خروش میں ان کی بات کسی نے نہ سنی —— لیکن جب شیخ الہندؒ اس مشن پر حجاز گئے تاکہ مدینہ منورہ کے ترک گورنر کے ذریعے دارالخلافت سے بات کریں —— تو انہیں وہاں سے شریف مکہ نے گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا —— اور یہی حشر مولانا عبیداللہ سندھی کا کابل میں ہونے والا تھا کہ وہ بروقت مطلع ہو گئے اور کابل سے فرار ہو کر روس چلے گئے —— قصہ مختصر یہ کہ جب چار سال کی جلاوطنی اور نظربندی جھیل کر شیخ الہندؒ واپس ہندوستان آئے تو انہیں یقین کامل ہو گیا تھا کہ حالاتِ وقت کی نبض پر ہاتھ ہم بوڑھوں کا نہیں' اس نوجوان کا ہے! —— بہرحال تحریک آزادیٔ ہند' دفاعِ خلافت عثمانیہ اور تحریک احیاء و غلبۂ دین کے ضمن میں حضرت شیخ الہندؒ کے اصل جانشین مولانا مدنیؒ نہیں مولانا آزاد تھے!

اب مولوی سید محمود میاں ہوں یا دیگر معتقدین و متوسلین حضرتِ مدنیؒ —— وہ مولانا مدنیؒ سے توسل و انتساب کا حق تو یقیناً EXCLUSIVELY اپنے لئے ''محفوظ'' رکھ سکتے ہیں' لیکن حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ نسبت کی اجارہ داری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ راقم الحروف کو حضرت شیخ الہندؒ سے ایک نہیں دو دو سلسلوں اور واسطوں سے نسبت کا دعویٰ ہے —— ایک بواسطہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ و تحریک پاکستان' اور دوسرے بواسطۂ مولانا ابوالکلام آزاد اور سید ابوالاعلیٰ مودودی! اس لئے کہ مولانا آزاد کی نسبت تو حضرت شیخ الہند سے بلاواسطہ اور ''متصل'' ہے ہی' مولانا مودودی کا بھی

خواہ مولانا آزاد سے کوئی معروف رشتہ نہ تھا لیکن اس دور کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ ان کی حیثیت مولانا آزاد کے معنوی خلیفہ ہی کی تھی ——— اور راقم الحروف خواہ بہت ہی حقیر و ناچیز انسان ہے لیکن ع ''کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی!'' کے مصداق ابوالکلام آزاد اور ان کی حزب اللہ (۱۹۱۲ء تا ۱۹۲۰ء) اور اس کے بعد مولانا مودودی اور ان کی تنظیم جماعت اسلامی (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۹ء) کے بعد اس خاکسار اور اس کی جماعت تنظیم اسلامی کو حضرت شیخ الہندؒ سے پختہ نسبت حاصل ہے!۔ چنانچہ یہ حقیقت تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے ہی کہ حضرت شیخ الہندؒ نے ''عوامی درس قرآن'' کے جو الفاظ ۱۹۲۰ء میں ادا کیے تھے ان کا واحد عملی مظہر و مصداق نہ صرف ارض پاکستان بلکہ اب دنیا بھر میں راقم ہی کا ''درس قرآن'' ہے!

اس ضمن میں آخری گزارش یہ کہ ——— عزیزم محمود میاں نے حضرت مدنیؒ کے بارے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کا جو حوالہ بہت طمطراق سے دیا ہے شاید ان کے علم میں بھی نہ ہو کہ اس تحریر کی اشاعت کا ذریعہ یہ خاکسار ہی بنا تھا ——— ورنہ پروفیسر صاحب کی یہ تحریر دو سال تک انجمن خدام الدین، شیرانوالہ گیٹ لاہور کے دفتر میں پڑی رہی ——— اور حضرتِ مدنیؒ کے معتقدین و متوسلین کو اسے شائع کرنے کی جرأت نہ ہوئی، کہ ع ''کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اِس زمانے میں!'' کے مصداق مولانا مدنیؒ کی مدح و ستائش پر مشتمل تحریر اور پاکستان میں طبع ہو سکے! چنانچہ وہ ''یہی رند قدح خوار'' تھا جو چشتی صاحب کو شیرانوالہ لے کر گیا۔ اور مولانا عبیداللہ انورؒ سے ان کی وہ تحریر ''واگزار'' کرائی ——— اور اپنے ماہنامہ ''میثاق'' میں نمایاں طور پر شائع کی ——— اور شاید یہ بات بھی ماہنامہ ''انوار مدینہ'' کے ''تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل'' کے علم میں نہ ہو کہ ''انوار مدینہ'' نے یہ تحریر ''میثاق'' ہی سے نقل کی تھی!۔ عزیزی مولوی محمود میاں! بڑوں کی پگڑی اچھال دینا ہرگز کوئی مشکل کام نہیں! ——— لیکن شریف النسب اور شریف النفس لوگ ایسا نہیں کیا کرتے! **فافھموا وتدبّروا!!**

"وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ"

حیاتِ دُنیوی کی ایک عظیم حقیقت

۲۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء کو مسجد دارالسلام باغ جناح میں

ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کا الوداعی خطابِ خطبہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم۔ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۟ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ (العنکبوت:۵۷)

﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ (العنکبوت:۶۴)

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ (النحل:۷۰)

﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ﴾ (یٰسٓ:۶۸)

حضرات! جن آیات کی ابھی میں نے تلاوت کی ہے' بہت سے حضرات جنہیں قرآن مجید سے قلبی اور ذہنی مناسبت حاصل ہے' وہ اِن آیات کا مفہوم جان کر سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ آیات آج میری گفتگو کا عنوان کس اعتبار سے بنی ہیں۔ از روئے قرآن حیاتِ انسانی کی عظیم ترین حقیقت حیاتِ اُخروی ہے۔ حیاتِ دُنیوی تو ایک امتحانی وقفہ ہے۔ اگر اسے امتحانی وقفہ سمجھیں اور اس امتحان میں پورا اترنے کی کوشش کریں تو یہ بہت قیمتی متاع ہے' اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ)) ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے''۔ یہاں بوؤ گے تو وہاں کاٹو گے۔ یہاں کچھ بویا ہی نہیں تو وہاں کیا کاٹو گے! یہاں اگر کانٹے بوئے ہیں تو وہاں وہ کانٹے کاٹنے پڑیں

گے۔ اس اعتبار سے اگر آخرت کی حقیقت پیش نظر رہے تو دُنیا بھی بہت قیمتی ہے۔ دُنیوی زندگی کا ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے' کیونکہ اس کے نتائج ابدی زندگی میں نکلنے والے ہیں۔تو potentially اِس حیاتِ دُنیوی کا ہر لمحہ امر ہے' eternal ہے۔ اس لئے کہ اس محدود وقت کے نتائج غیر محدود' لامتناہی عرصے پر پھیلے ہوں گے۔ اس طرح ہماری حیاتِ دُنیوی کا ہر لمحہ بھی ابدی ہے۔ لیکن اگر یہ حیاتِ دُنیوی ہمیں اپنے اندر گم کر لے اور ہم آخرت کو بھی بھول جائیں' اللہ سے بھی بس برائے نام تعلق ہو کہ کوئی پیدا کرنے والا ہے' نہ اُس کی محبت' نہ اُس کی اطاعت' نہ اُس کی عبادت میں لذت' نہ اُس سے دعا و مناجات میں حلاوت' نہ اُس کے ساتھ وفاداری' نہ اُس کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے جان کھپانا' نہ اُس کے دین کو غالب اور نافذ کرنے کے لئے جدوجہد کرنا۔ اگر ایسا ہے تو حیاتِ دُنیوی سب سے بڑا دجّال ہے' کیونکہ وہ انسان کو اپنی اصل منزل سے غافل کر دیتا ہے۔ چنانچہ سورۃ العنکبوت کی یہ آیت میں نے آپ کو سنائی: ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط﴾ ''اور یہ دُنیوی زندگی تو محض کھیل اور دل کا بہلاوا ہے''۔ یہ اس صورت میں ہے کہ حیاتِ دُنیوی آخرت سے حجاب بن جائے' یعنی آخرت کو بھول جانے کا سبب بن جائے' اور انسان کو اپنے اندر گم کر لے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا......﴾ (الکہف: ۱۰۴) وہ لوگ کہ جن کی سعی و جہد' بھاگ دوڑ' تگ و دو اِس حیاتِ دُنیوی ہی میں الجھ کر رہ گئی۔ تو فرمایا: ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط﴾ تو پھر یہ دُنیا کھیل کود ہے' تھوڑی دیر کا تماشا ہے اور بس۔ ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾ اور اصل میں تو آخرت کی زندگی ہے جو حقیقی زندگی ہے ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۞﴾ کاش کہ انہیں معلوم ہوتا! سارا فریب نظر یہی ہے کہ ہم نے اِس زندگی کو اصل زندگی سمجھ لیا۔

اب ذرا ایک قدم نیچے اتریئے اور دیکھئے کہ اس حیاتِ دُنیوی کی سب سے عظیم حقیقت کیا ہے؟ ابھی حیاتِ انسانی کا ذکر نہیں۔ حیاتِ انسانی تو بہت طویل ہے۔ بقول اقبال ؎

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی!

انسان اپنے وجود کے اعتبار سے ابدی ہے۔ موت کیا ہے؟ وہ تو ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جانا ہے۔ یہاں آنکھ بند ہو گی، عالمِ برزخ میں کھل جائے گی۔ پھر قیامت میں عالمِ آخرت شروع ہو گا، وہ اصل زندگی ہے۔ لیکن اس حیاتِ دُنیوی کی سب سے بڑی حقیقت کیا ہے؟ حیاتِ دُنیوی کی سب سے بڑی حقیقت موت ہے، جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لوگ خدا کا انکار کر سکتے ہیں، حیاتِ اُخروی کا انکار کر سکتے ہیں، ہر شے کا انکار کر سکتے ہیں، مگر موت کا انکار ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں یہ الفاظ تین مرتبہ آئے ہیں: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ''ہر ذی حیات کو لازماً موت کا مزا چکھنا ہوگا''۔ دوام کسی کو نہیں ہے ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۞ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۞﴾ (الرحمٰن: ۲۶،۲۷) ''ہر چیز جو اِس زمین پر ہے، فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے ربّ کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے''۔ دوام صرف اللہ کی ذات کو ہے۔

افسوس کہ موت جو ہماری زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے، ہم اسے اپنے ذہن سے دُور رکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے: ﴿وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۞﴾ (الشعراء: ۱۲۹) ''اور تم ایسے ایسے محل تعمیر کرتے ہو گویا کہ تمہیں ہمیشہ ہمیشہ یہاں رہنا ہے''۔ ایسے عالی شان محل! لیکن رہنا کتنے دن کے لئے ہے؟ عنقریب یہاں سے نکل جاؤ گے۔ بہاری مسلمان جو ہجرت کر کے مشرقی پاکستان گئے تھے، وہاں انہوں نے بہترین مکانات بنائے، بہترین بلڈنگیں تعمیر کیں، پھر وہاں سے کیسے نکلے ہیں! کچھ تو اِدھر اُدھر بھاگ گئے، پریشان ہوئے، کچھ ابھی تک وہاں ہیں اور کیمپوں کے اندر پڑے باقاعدہ سڑ رہے ہیں۔ وہ محل اُن کی نگاہوں کے سامنے موجود ہیں جو انہوں نے تعمیر کئے تھے، آج ان پر کوئی اور قابض ہے، کوئی اور وہاں رہ رہا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''برا ہے وہ پیسہ جو اینٹ اور گارے پر

صرف ہوتا ہے''۔ یہ انسان کی ذہنیت ہے کہ موت کے تصور کو وہ اپنے سے دُور رکھتا ہے' اس لئے کہ موت کا تصور مستحضر ہوگا تو اس دُنیا سے دل اچاٹ ہو جائے گا۔ جب دل اچاٹ ہوگا کہ یہاں سے چلے جانا ہے' رہنا نہیں' تو ظاہر ہے کہ دُنیا میں انسان کا انہماک نہیں رہے گا اور زیادہ سے زیادہ کمانا' زیادہ سے زیادہ بنانا' زیادہ سے زیادہ پھیلنا' پھولنا' پھلنا' اس کے لئے انسان کی intensity کم ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے۔ بڑے سے بڑے سیٹھ ہیں' وہ بھی معاشی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کا ایک قدم کروڑوں کا ہوتا ہے۔ کوئی ایک قدم آگے نکل گیا تو وہ کروڑوں آگے چلا گیا۔ لہٰذا دوڑ ہے جو چل رہی ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ﴿ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴾﴾ یعنی کثرت کی زیادہ سے زیادہ طلب تمہیں غافل کیے رکھتی ہے' یہاں تک کہ تم قبروں تک پہنچ جاتے ہو۔ دُنیا کی حرص ختم نہیں ہوتی۔ حدیث میں بڑے پیارے الفاظ ہیں کہ انسان کے حرص کو بھرنے والی شے تو صرف ایک ہی ہے اور وہ قبر کی مٹی ہے۔ اس سے پہلے حرص ختم نہیں ہوتی۔ اتنی دولت ہے کہ دس پشتیں بھی بیٹھ کر کھائیں تو ختم نہ ہو' لیکن ''ھَلْ مِنْ مَزِیْدٍ'' کا ''ہوکا'' ہر وقت انسان کو لگا ہوا ہے۔

چنانچہ فرمایا: ﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۟ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴾ ''ہر ذی نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے' پھر تمہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے''۔ یہ آیت سورۃ العنکبوت کی ہے۔ ویسے دو اور مقامات پر یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ یہاں تک کہ انبیاء بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ حضور ﷺ سے فرمایا گیا: ﴿اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ﴾ (الزمر:۳۰) ''(اے نبیؐ!) آپ پر بھی موت وارد ہوگی اور ان پر بھی موت وارد ہوگی''۔ اور فرمایا: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ ؕ﴾ (آل عمران:۱۴۴) ''محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں! تو کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل واپس پلٹ جاؤ گے؟'' نہیں۔ (حضرت) محمد ﷺ تو

تمہارا تعلق اللہ سے جوڑنے آئے تھے' اصل تعلق تو اللہ کے ساتھ ہے۔ ذرا وہ خطبہ یاد کیجئے جو حضرت ابوبکرؓ نے آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت جلالی تھی' جلالی آدمی جذباتی ہوتا ہے' غزوۂ اُحد میں بھی ان کو جب یہ خبر ملی کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے تو تلوار پھینک دی کہ اب کس لئے لڑنا ہے! کسی صحابی نے کہا: عمر! کیا کر رہے ہو؟ اگر حضور ﷺ واقعی شہید ہو گئے ہیں تو جس مشن میں انہوں نے جان دی' ہم کیوں نہ دیں! پھر انہوں نے تلوار اٹھا لی۔ اسی طرح جب حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا تو تلوار لے کر حضور ﷺ کے حجرے کے باہر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ جس نے کہا کہ (حضرت) محمد ﷺ فوت ہو گئے ہیں مَیں اس کا سر اڑا دوں گا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے۔ ان کے لئے کوئی پردہ نہیں تھا' حجرۂ عائشہ تھا' بیٹی کا گھر تھا جس میں حضور ﷺ کا انتقال ہوا' لہٰذا سیدھے گئے' چادر سر سے ہٹائی' بوسہ دیا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا' بس موت جو آنی تھی آ گئی' اب آپؐ کے لئے ابدی زندگی ہے' خلود فی الجنة ہے۔ پھر باہر آئے اور یہی آیت پڑھی: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۞﴾ اور پھر کہا: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ ''جو کوئی (حضرت) محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ (حضرت) محمد ﷺ فوت ہو گئے'' وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ ''اور جو کوئی اللہ کی عبادت اور پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے جس پر کبھی موت وارد نہیں ہو گی''۔ کتنے پیارے الفاظ ہیں! حیاتِ انسانی کی سب سے بڑی حقیقت حیاتِ اُخروی ہے اور ہماری اس حیاتِ دُنیوی کی سب سے بڑی حقیقت جس کا کوئی منکر نہیں' موت ہے۔

موت سے پہلے کی ایک کیفیت ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں دو مقامات پر آیا ہے۔ بعض لوگوں کو ایک ایسے بڑھاپے کی عمر تک پہنچا دیا جاتا ہے جسے قرآن میں ''ارذل العمر'' کہا گیا ہے' بڑی رذیل عمر' قابل حذر عمر' جس سے کہ حضور ﷺ نے

اللہ کی پناہ چاہی۔ یعنی انسان اس عمر کو پہنچ جائے کہ یادداشت ختم ہو جائے‘ یاد ہی کچھ نہ رہے‘ کسی کو پہچان نہ پائے۔ آپ کو معلوم ہے صدر ریگن ابھی تک ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ بہت عرصے تک تو وہ سوائے اپنی بیوی کے کسی کو نہیں پہچانتا تھا‘ اب اپنی بیوی کو بھی نہیں پہچانتا۔ لیکن بہرحال ابھی زندہ ہے۔ وہ تو میڈیکل سائنس اتنی آگے بڑھ گئی ہے کہ ایسے مریض کے Vital Processes کو تقویت باہر سے پہنچ رہی ہوتی ہے۔ لیکن یہ ’’ارذل العمر‘‘ ہے۔ چنانچہ سورۃ النحل میں فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ﴾ ’’دیکھو اللہ نے تمہیں پیدا کیا تھا‘ پھر وہی ہے جو تمہیں وفات دے گا‘‘ ﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا﴾ ’’اور تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بڑی رذیل عمر تک پہنچا دیے جاتے ہیں کہ پھر وہ سب کچھ جاننے کے بعد کچھ نہیں جانتے‘‘۔ ریگن جس بیماری میں مبتلا ہے اس میں ذہن کی activity ختم ہو جاتی ہے‘ اور اب اس وقت دُنیا کے اندر اس قسم کے امراض بڑھتے جا رہے ہیں‘ کیونکہ جسمانی عوارض کے علاج کافی دریافت ہو چکے ہیں‘ تو اب اللہ تعالیٰ نئے سے نئے امراض پیدا کر رہا ہے‘ اللہ تعالیٰ کو تو دُنیا کی آبادی ایک حد میں رکھنی ہے۔ تم نے ٹی بی کا علاج دریافت کر لیا‘ ملیریا کا علاج تلاش کر لیا تو لو اب ایڈز ہے‘ اس کے ساتھ نمٹو! ارب ہا ارب ڈالر اس کی ریسرچ پر خرچ ہو رہے ہیں پھر کینسر ہے! اس کے علاج پر کتنا خرچ ہوتا ہے اور ان کے علاوہ کئی بیماریاں نئی پیدا ہو گئی ہیں جن کا کوئی علاج ہی نہیں۔

قرآن مجید میں اہم مضامین دو جگہ ضرور آتے ہیں۔ تو یہ ارذل العمر کا تصور بھی بڑے شاندار انداز میں سورۃ الحج کی آیت ۵ میں آیا ہے‘ جو ایک طویل آیت ہے: ﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ﴾ اے لوگو! اگر تمہیں کوئی شک ہے دوبارہ اٹھائے جانے میں‘ بعث بعد الموت میں کوئی شک ہے تو ذرا اپنی تخلیق پر غور کرو‘ اپنی زندگی پر غور کرو۔ ﴿فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ ﴿ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ پھر تمہیں نطفے کی شکل میں رکھا۔ ﴿ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ﴾ پھر ایک جونک کی شکل میں رکھا رحم مادر کے ساتھ لٹکا ہوا۔ ﴿ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ

مُخَلَّقَةٍ﴾ پھر گوشت کا ایک لوتھڑا سا بن گئے تھے‘ ایسی کیفیت بھی تھی کہ ابھی اس کے اوپر کوئی اعضاء کے آثار نہیں تھے‘ پھر اعضاء آئے‘ آنکھیں آئیں‘ وہ مُخَلَّقَةٍ ہو گیا۔ ﴿لِنُبَيِّنَ لَكُمْ﴾ تاکہ تم پر واضح کریں کہ تم کن کن stages سے گزر کر آ رہے ہو۔ سوچو تو سہی‘ تمہیں پتہ نہیں۔ تمہارے پاس ہمیشہ سے یہ آنکھیں نہیں تھیں۔ تم تو رحم مادر کے اندر ایک لوتھڑا تھے‘ جس کی نہ کوئی آنکھ تھی نہ کان تھا۔ ﴿ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا﴾ پھر ہم نے رحم مادر سے تمہیں نکالا ایک بچے کی شکل میں‘ جیسے پھول سا کھلا ہوا ﴿ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا اَشُدَّكُمْ﴾ پھر ایک دور آتا ہے تمہاری زندگی کا کہ تم اپنی پوری قوت یعنی جوانی کو پہنچتے ہو ﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى﴾ اور تم میں سے ایسے بھی ہیں جو اچھے وقت فوت کر دیئے جاتے ہیں۔ ابھی اعضاء‘ سماعت‘ بصارت سب محفوظ ہیں‘ اسی وقت چلے گئے۔ جس کو کہتے ہیں چلتے ہاتھ پاؤں چلے جانا۔ دعا کی جاتی ہے کہ اے اللہ! چلتے ہاتھ پاؤں اٹھا لے‘ معذوری کا معاملہ نہ آئے! وہ نہ ہو کہ ہم اپنے پس ماندگان اور وارثوں کے اوپر بوجھ اور مصیبت بن جائیں۔ ﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا﴾ اور تم میں سے ایسے بھی ہیں جو رذیل عمر کو پہنچا دیئے جاتے ہیں کہ وہ سارا علم جو جوانی میں حاصل ہوا تھا اور وہ سارا فلسفہ‘ سارا فکر‘ ساری سوچ‘ ساری سائنٹیفک معلومات سب ختم ہو گئیں۔ ساری سلیٹ صاف ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اس انجام سے ہم میں سے ہر ایک کو بچائے! اور یہ بات مسنون بھی ہو گی‘ کیونکہ حضور ﷺ نے بھی اس عمر سے پناہ مانگی ہے۔ حضور ﷺ بہترین عمر میں‘ ۶۱ برس شمسی یا ۶۳ برس قمری سال کی عمر میں رحلت فرما گئے‘ جبکہ آپؐ کے قویٰ ابھی مضبوط تھے‘ توانا تھے۔ چند ہی مہینے پہلے آپؐ تبوک کا سفر کر کے آئے تھے‘ اس قدر طویل اور صعوبت بھرا سفر ابھی آپؐ نے کیا تھا۔ اگرچہ بعض روایات آتی ہیں کہ جسم بھاری ہو گیا تھا اور جب آپؐ رات کو تہجد میں کھڑے ہوتے تھے تو پاؤں پر ورم بھی آ جاتا تھا۔

پھر دیکھئے‘ سورۂ یٰسین میں فرمایا: ﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۞﴾ جس کو ہم عمر زیادہ دیتے ہیں تو اس کی خلقی قوتوں کے اندر کمی کر دیتے

ہیں۔ اس کا تو ہر ایک کو سابقہ پیش آتا ہے' ہر ایک کو تجربہ ہوتا ہے کہ یادداشت میں کمی ہوجاتی ہے' جیسا کہ غالب نے کہا تھا۔

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
اب عناصر میں اعتدال کہاں!

یہ تنکیس فی الخلق ہے۔ یعنی ساخت کو اوندھا کر دینا۔ تھوڑی سی یادداشت تو عمر کے ساتھ سبھی کی متاثر ہوتی ہے۔ ڈاکٹروں سے پوچھو تو کہتے ہیں یہ عمر کا تقاضا ہے' اس کا کوئی اور جواب ہمارے پاس نہیں ہے' ہمیں معلوم نہیں کیا ہے۔ تو یہ ہے نکس۔ ایک ہے نقص' کسی چیز کا کم ہونا' نقص ہونا' عیب ہونا۔ لیکن یہ نکس ہے' اوندھا ہوجانا۔ عمر میں اضافے سے انسان کی جسمانی صلاحیتوں کے اندر کمی آجاتی ہے' تخلیقی قوتیں اوندھی ہوجاتی ہیں۔

اس تنکیس فی الخلق ہی کی وجہ سے دُنیا میں ساٹھ برس کی عمر میں ریٹائرمنٹ کا رواج ہے۔ امریکہ مین اس کے لئے شاید ۶۵ برس کی عمر ہے' وہاں صحت بہتر ہے' حالات بہتر ہیں' environment بہتر ہے' کھانے کو بہتر ملتا ہے' صاف اور ستھری چیزیں ملتی ہیں' ملاوٹ نہیں ہوتی' اس لئے عمر بڑھ رہی ہے' لیکن وہاں بھی بہر حال ریٹائرمنٹ تو ہوتی ہے۔ حالانکہ آپ سوچئے' جس شخص نے کسی Job میں ۳۰' ۳۵ یا ۴۰ برس لگائے ہیں' کتنا تجربہ اس کے پاس ہے۔ نئے آنے والے آدمی کے پاس وہ تجربہ نہیں ہے۔ وہ تجربہ بہت قیمتی شے ہے۔ اس کے باوجود ریٹائرمنٹ ہے' اس لئے کہ جسمانی قویٰ کے اندر کمی آجاتی ہے' کمزوری آجاتی ہے۔ یہ فطرت کا ایک عمل ہے:
﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۚ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝﴾ ''جس کی عمر ہم زیادہ کر دیتے ہیں اس کی خلقت کے اندر کمی کر دیتے ہیں' تو کیا وہ اس کے اوپر غور نہیں کرتے!''

یہ ساری تمہید میں نے آج خاص طور پر اپنے ایک ذاتی معاملے کے لئے باندھی ہے۔ دیکھئے' میں نہ سکہ بند یا سند یافتہ عالم دین تھا' نہ ہوں' نہ پیشہ ور مولوی تھا' نہ ہوں۔ اس کے باوجود مجھے اس مسجد میں خطابِ جمعہ کرتے ہوئے آج ٹھیک ۲۵ برس ہو

گئے ہیں۔ اس سے پہلے ۱۰ برس میں نے خطاب جمعہ مسجد خضریٰ' سمن آباد میں کیا۔ اس سے پہلے کئی برس میں منٹگمری (جسے اب ساہیوال کہتے ہیں) کی ایک جامع مسجد اہل حدیث میں خطبہ دیتا رہا۔ یہ میرا پروفیشن نہیں تھا' نہ اس سے میری کوئی معاش وابستہ رہی' نہ کہیں سے کوئی ایک پیسہ وظیفہ لیا۔ یہاں تک کہ یہاں بھی میں کافی فاصلے سے اپنی ذاتی گاڑی میں یا انجمن خدام القرآن کی گاڑی پر آتا ہوں۔ یہاں سے ایک پیسہ کبھی سفر خرچ کے نام پر بھی نہیں لیا۔ اس کا پس منظر کیا ہے؟ اوائل عمر سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ساتھ ایک مناسبت قائم کر دی۔ اللہ کا بڑا فضل یہ ہوا کہ میں نے ہائی سکول میں چھٹی جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک عربی کا مضمون رکھا اور ۴۳ء سے ۴۷ء تک یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ابھی طالب علم بھی پڑھنے کے لئے سکولوں میں جاتے تھے اور اساتذہ بھی پڑھانے کے لئے آتے تھے۔ یہ نہیں کہ ٹیوشن کا راستہ دکھانے کے لئے استاد سکول میں آتے ہوں۔ اب تو سارا معاملہ بگڑ چکا۔ بہرحال عربی گرامر کی واقفیت الحمد للہ اسی وقت سے ہے۔ پھر سن ۴۷ء کے ہنگاموں میں ہم حصار میں محصور تھے' ہندوؤں نے ہمارا گھیراؤ کیا ہوا تھا' مسلمانوں کے چند محلے تھے' انہوں نے مورچے بنا کر اپنے تحفظ کے لئے کچھ انتظام کر رکھا تھا۔ ہم کوئی مہینہ سوا مہینہ وہاں محصور رہے۔ بلوائی آتے تھے' حملے کرتے تھے۔ ہمارے کچھ لوگوں نے جن میں کچھ ریٹائرڈ فوجی بھی تھے' بجلی کے کھمبے کاٹ کاٹ کر توپڑے بنائے اور کچھ سناروں کی دکانوں سے گندھک وغیرہ حاصل کر کے بارود بنایا جو اُن توپڑوں میں چلایا جاتا۔ شہر کے ہندو تو لڑنے کے قابل تھے نہیں' وہ دیہاتیوں کو لاتے تھے کہ آؤ ان کو لوٹو اور مارو۔ لیکن جب ان پر توپڑا چلتا تھا تو برے طریقے سے بھاگتے تھے اور مرتے تھے۔ تو سوا مہینے تک ہم وہاں زندگی اور موت کے درمیان رہے' پھر بھارتی فوج آئی' اس نے اپنی توپوں کے گولوں سے ہمارے مورچوں کو توڑا اور ہمیں کیمپ میں لے گئے۔ یہ جو ہم نے سوا مہینہ گزارا اس میں جو بھی وقت ملتا' مَیں اور میرے بڑے بھائی دونوں ایک مسجد میں بیٹھ کر مولانا مودودی کا ترجمان القرآن پڑھتے تھے۔ اس وقت اس میں سورۂ یوسف کی تفہیم

شائع ہو رہی تھی۔ میرے بڑے بھائی نے بھی میٹرک میں عربی پڑھی تھی' اگرچہ ان کی عربی اب پرانی ہو گئی تھی' میری عربی نئی نئی تھی' تو میں اُن پر زیادہ رعب جھاڑتا تھا کہ یہ یوں ہے' یوں نہیں ہے۔ اس سے مجھے قرآن مجید کے ساتھ پہلا تعارف ہوا اور قرآن نے مجھے possess کر لیا۔

یہی وجہ ہے کہ میٹرک کے بعد میرے تعلیمی دَور کے جو سات سال اسلامی جمعیت طلبہ میں گزرے اس دوران بھی میرا درسِ قرآن بہت مقبول تھا' پھر تین سال جماعت اسلامی کے حلقے میں بھی درسِ قرآن کا یہ کام میں کرتا چلا آ رہا ہوں۔ میں نے ''دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر'' کے عنوان سے اپنی ایک پوری داستان لکھی ہے۔ دروسِ قرآن کے علاوہ میں نے کئی مقامات پر عربی کلاسز کا اہتمام بھی کر رکھا تھا۔ محفلیں ہو رہی تھیں' مساجد میں بھی' باہر ہالز میں بھی۔ لیکن میرے علم میں یہ بات بھی تھی کہ جمعۃ المبارک کا اصل نظام ہی قرآن کی تعلیم بالغاں ہے۔ یعنی التذکیر بالقرآن' لوگوں کو قرآن کے ذریعے سے تذکیر کرنا۔ حضور ﷺ کے زمانے میں نہ مدارس تھے' نہ کوئی فارغ التحصیل ہوتا تھا' مکتب بھی نہیں تھے۔ وہ تو قوم ہی اَن پڑھ تھی۔ تو نظامِ تعلیم یہ تھا۔ یہ ہفت روزہ اجتماع ہوتا تھا حزب اللہ کا' اللہ کی پارٹی کا' جس میں امام الامت' اللہ کے رسول ﷺ خطبہ دیتے تھے اور خطبے میں قرآن کی آیات پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ یہ صحیح مسلم کے اندر روایت موجود ہے:

> كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ ' يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا ' يَقْرَءُ آيَاتِ الْقُرْآنِ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ
>
> ''نبی کریم ﷺ کے دو خطبے ہوتے تھے' ان دونوں کے درمیان آپ بیٹھتے بھی تھے۔ آپؐ لوگوں کو قرآن کی آیات پڑھ کر سناتے تھے اور اس کے ذریعے تذکیر کرتے تھے''۔

اس کی وضاحت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور عربی زبان والے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں' لہٰذا مختصر خطاب ہے' بس قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔ پوری سورۃ القیامۃ خطبے میں لوگوں کو پڑھ کر سنا دی ہے۔ پڑھنے

والے محمد ﷺ ہیں۔ الفاظ دل کی گہرائیوں سے نکل رہے ہیں' کلام اللہ کا ہے اور اس وقت محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان سے لوگ سن رہے ہیں۔ تو ظاہر ہے اس کی تاثیر ہی بہت کافی ہے' کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ میں نے درسِ قرآن کی مجالس کے علاوہ خطاباتِ جمعہ کا سلسلہ شروع کیا اور جب بھی میرے سامنے اس کی پیشکش آئی تو میں نے قبول کی۔ سب سے پہلے منٹگمری میں' جو اَب ساہیوال کہلاتا ہے' ایک مسجد کے ذمہ دار حضرات نے مجھ سے درخواست کی۔ انہوں نے میرے دروسِ قرآن سنے تھے' انہیں پسند تھے' حالانکہ میں مسلکاً اہلِ حدیث نہیں ہوں۔ میں نے ان سے کہہ بھی دیا تھا کہ میں روایتی طور پر اہلِ حدیث نہیں ہوں' یہ ٹھیک ہے کہ بعض چیزیں اہل حدیث کی جو مجھے اچھی لگتی ہیں میں ان کو اختیار کرتا ہوں' میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ خُذْ مَا صَفَا دَعْ مَاکَدَرَ ''اچھی چیز لے لو' بری چیز چھوڑ دو''۔ اور ((اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ ھُوَ اَحَقُّ بِھَا حَیْثُ وَجَدَھَا)) '' حکمت مؤمن کی گم شدہ چیز ہے' وہ اُس کا زیادہ حق دار ہے جہاں بھی اُسے پائے''۔ جبھی میں سال ہا سال تک وہاں پر اہل حدیث کی جامع مسجد میں خطبہ دیتا رہا۔

لاہور آیا تو سمن آباد میں درسِ قرآن شروع کیا۔ مسجد خضراء کی انتظامیہ نے درخواست کی کہ آپ یہاں پر خطابِ جمعہ شروع کریں۔ چنانچہ شروع میں میرا صرف خطاب ہوتا تھا اور عربی خطبہ وہاں کے مقررہ امام مسجد دیتے تھے اور نماز پڑھاتے تھے۔ بعد میں اُنہوں نے شاید اسے اپنی توہین سمجھا اور چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر میں وہاں تقریباً دس برس اردو میں خطاب بھی کرتا رہا اور عربی خطبہ بھی دیتا اور نماز بھی پڑھاتا رہا۔ پھر ہوا یوں کہ مسجد کی انتظامیہ میں گروپ بن گئے' لڑائی جھگڑے کی فضا پیدا ہوگئی۔ ادھر ۱۹۷۷ء کی بھٹو مخالف تحریک چلی' جسے تحریکِ نظامِ مصطفیٰ کا نام دیا گیا' حالانکہ وہ سراسر سیاسی تحریک تھی' میں نے اسے کبھی بھی نظامِ مصطفیٰ کی تحریک نہیں مانا' اس پر میرا ان سے اختلاف ہوگیا اور میں نے مسجد کی خطابت چھوڑ دی۔

اُس وقت میں نے فیصلہ کرلیا کہ اب کبھی مسجد میں خطاب نہیں کروں گا۔ اور

جگہیں بہت ہیں' ہال ہیں' گھروں کے اندر بڑے بڑے لان ہیں' ہر جگہ پر درس ہوسکتا ہے' مجھے تو قرآن مجید پڑھانا ہے۔ لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ کرنل سلامت اللہ مرحوم میرے پاس تشریف لائے' جنہوں نے یہ ادارہ دارالسلام بنایا' جس میں یہ مسجد اور ایک لائبریری ہے۔ ایک ریستوران بھی اسی ادارے کے تحت ہے' تاکہ یہاں کے اخراجات وغیرہ کے لئے آمدنی وہاں سے ملتی رہے۔ کرنل صاحب بڑے دبنگ اور دھڑلے دار آدمی تھے۔ ایک مرتبہ یہاں کچھ تعمیر کا کام دیکھتے ہوئے اس وقت کے کمشنر جن کا نام بی اے قریشی تھا' باغ جناح میں آئے۔ انہوں نے دورانِ گفتگو کہا کہ یہ یہاں کیا ہو رہا ہے' باغ میں مسجد کا کیا کام! یہ سننا تھا کہ کرنل سلامت اللہ صاحب نے اس کو زوردار تھپڑ رسید کیا اور کہا کہ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ حالانکہ وہ کمشنر جہاں تک مجھے یاد ہے' سردار شوکت حیات خان صاحب مرحوم کے بہنوئی تھے۔ بہرحال ان کی دھڑلے دار شخصیت تھی اور بڑے دبنگ آدمی تھے' اس میں کوئی شک نہیں۔ وہ میرے پاس آئے کہ اب آپ مسجد دارالسلام کے اندر خطبے کا آغاز کریں۔ میں نے کہا کہ صاحب میں تو فیصلہ کر چکا ہوں کہ اب کسی مسجد سے سروکار نہیں رکھوں گا۔ اس پر انہوں نے اندر سے کرسی منگوائی اور قرآن اکیڈمی میں میرے کمرے کے باہر صحن میں دھوپ کے اندر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ میں تو یہاں دھرنا مار کر بیٹھا ہوا ہوں' یہاں سے نہیں اٹھوں گا جب تک آپ ''ہاں'' نہیں کریں گے۔ کافی دیر تک میں ان سے کہتا رہا کہ صاحب میرا معاملہ اور ہے' آپ اس بات کو چھوڑ دیں۔ لیکن ان کا اصرار بڑھتا گیا۔ بالآخر میں نے ہاں کر دی اور سن ۱۹۷۷ء سے میں اس مسجد کی خدمت میں لگا ہوا ہوں' اللہ کا شکر ہے۔ اب سلور جوبلی تو ہوگئی' ۲۵ سال یہاں ہو چکے۔

ان پچیس سالوں کے دوران ذرا نوٹ کیجئے' یہ ''تنکیس فی الخلق'' کیسے رفتہ رفتہ نیچے گئی ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ میں خطاب بھی کھڑے ہو کر کرتا تھا' جیسے خطاب ہونا چاہئے۔ پھر یہ کہ عربی خطبہ بھی خود دیتا اور نماز بھی خود پڑھاتا۔ خطاب کا وقت ڈیڑھ گھنٹہ مقرر تھا' لیکن کبھی دو گھنٹے بھی ہو جاتے تھے اور اس پر بہت سے ساتھیوں کو شکایت

بھی ہوتی تھی‘ لیکن آتش جوان تھا اور اندر سے جوش تھا۔ اسے جوشِ تبلیغ کہہ لیں‘ جوشِ تعلیم کہہ لیں‘ حمیتِ حق کا جوش کہہ لیں۔ تو پہلا دَور وہ تھا۔ پھر ایک دَور آیا جب میرے گھٹنوں میں تکلیف شروع ہوگئی تو میں نے اردو کا خطاب بیٹھ کر شروع کر دیا‘ لیکن عربی خطبۂ مسنونہ کھڑے ہو کر ہی دیتا رہا اور نماز بھی پڑھاتا رہا۔ یعنی ایک قدم نیچے آ گیا۔ پھر ایک وقت آیا کہ گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے بعض اوقات کھڑے ہو کر stagger کر جاتا اور محسوس ہوتا تھا گر جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے مسنون خطبہ اور نماز کی امامت عزیزم عاکف سعید کے حوالے کر دی۔ یا اگر کبھی یہ باہر ہوتے تھے تو ہمارے ساتھیوں میں سے کوئی اور آ کر یہ خدمت ادا کرتا تھا۔ یہ وہ مرحلہ ہے جس پر میں کئی سالوں سے عمل پیرا ہوں۔ لیکن ایک بات ذہن میں رکھئے! میں نے اعداد للموت یعنی موت کے لئے تیاری اُس وقت سے شروع کر دی تھی جب میں شمسی حساب سے ۵۸ برس اور قمری حساب سے ۶۰ برس کا ہو گیا تھا۔ موت ہمیشہ مستحضر رہی ہے۔

دسمبر ۱۹۷۹ء کی بات ہے کہ میرے قلم سے ایک تحریر نکلی‘ وہ میری بڑی پسندیدہ تحریروں میں سے ہے اور ایک خاص کیفیت میں میرے قلم سے نکلی ہے۔ یہ ایک کتاب ہے ’’دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر‘‘۔ یہ رجوع الی القرآن کیسے شروع ہوا؟ مسلمان قرآن سے دُور کیسے ہوئے؟ پھر رفتہ رفتہ قرآن کی طرف کیسے آئے؟ ہندوستان میں قرآن کی طرف آنے کا عمل شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے شروع ہوا‘ جنہوں نے قرآنِ حکیم کا فارسی ترجمہ کیا۔ اس سے پہلے ہمارے علماء قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کو حرام سمجھتے تھے۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ کے خلاف ایک بہت بڑا ہنگامہ ہو گیا تھا اور انہیں قتل کرنے کے لئے سرحد سے پٹھان بلا لئے گئے تھے۔ ایک دن وہ مسجد فتح پوری سے حدیث کا درس دے کر عصر کی نماز کے بعد نکلے تو یہ لوگ گھات میں تھے۔ وہ تو اللہ نے کچھ ایسی ہیبت طاری کر دی کہ وہ لوگ کھڑے کے کھڑے رہ گئے‘ کرائے کے قاتلوں کو ہمت نہیں ہوئی کہ اُن پر حملہ کریں۔ جرم یہ تھا کہ اس شخص نے قرآن کریم کا ترجمہ کر دیا ہے۔ ابھی تک یہ کتاب بند تھی‘ اسے بند ہی رہنا چاہئے‘ بس اس کا پڑھ لینا ثواب ہے۔

اللہ اللہ خیر صلاّ ۔ بہرحال شاہ ولی اللہؒ نے یہ قرآن کھولا اور اس کا فارسی ترجمہ کیا۔ ''الفوز الکبیر'' کتاب لکھی جو اصولِ تفسیر پر بہترین چھوٹا سا رسالہ ہے۔ ان کے بیٹوں میں سے شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر عزیزی لکھی' شاہ عبدالقادرؒ نے قرآن کا بامحاورہ اردو ترجمہ کیا جبکہ شاہ رفیع الدینؒ نے لفظی ترجمہ کیا۔ شاہ عبدالغنیؒ چوتھے بیٹے تھے' وہ ان کی زندگی میں کچھ زیادہ نمایاں نہیں ہو سکے اور فوت بھی جلدی ہو گئے۔ لہٰذا وہ چمک بھی نہیں سکے۔ شاہ عبدالعزیزؒ' شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ ہر ایک اپنی جگہ پر امامِ ہُدیٰ تھا۔ شاہ عبدالغنیؒ نوجوانی میں فوت ہو گئے۔ ان کے بیٹے شاہ اسماعیل شہیدؒ تھے جنہوں نے نام روشن کیا ہے۔ بہرحال وہاں سے یہ تحریک رجوع الی القران شروع ہوئی تھی۔ پھر اس کے مختلف مراحل ہیں۔ یہ اچھی طرح سمجھنے کی چیز ہے۔

''دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر'' نامی کتاب میں نے دسمبر ۱۹۷۹ء میں مرتب کی تھی اور اس میں لکھا تھا کہ میں اپنی زندگی میں جو کچھ کر پایا ہوں اس سے مطمئن ہوں' شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم! اور اب میری شامِ زندگی ہے' میں موت کا منتظر ہوں۔ اور میری شدید خواہش ہے کہ ''مسنون عمر'' سے زیادہ میری عمر نہ ہو۔ گویا کہ اُس وقت ابھی قمری حساب سے مسنون عمر کے تین سال بقایا تھے۔ لیکن یہ کہ ع یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔ مجھے اللہ نے یہ رتبہ عطا نہیں فرمایا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے جو عمر حضور ﷺ کی تھی وہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہوئی اور وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر زیادہ ہوئی' یعنی بیاسی برس۔ پھر حضرت علیؓ کی وہی عمر ہوئی جو حضور ﷺ کی تھی۔ ہندوستان کی عظیم شخصیات میں شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی وہی عمر ہوئی۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی بھی وہی عمر ہوئی (۶۱ برس شمسی یا ۶۳ برس قمری حساب سے) اور علامہ اقبال کے بارے میں تو کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات وہ رویا کرتے تھے کہ میری عمر حضور ﷺ کی عمر سے بڑھ نہ جائے۔ اور ان کی عمر بھی پھر بالکل وہی ہوئی جو حضور ﷺ کی تھی۔ تو خواہش تو میری بھی تھی' لیکن یہ معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے' جس کو بھی عنایت کرے' جس کو بھی وہ عطا ہو جائے۔

اگر چہ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ عمر کی طوالت بھی ایک اعتبار سے بہت بڑی نعمت بن سکتی ہے۔ انسانوں میں سے فرشتہ تو کوئی ہے نہیں کہ اس سے خطا نہ ہوئی ہو۔ حدیث نبویؐ ہے: ((كُلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّاءٌ وَّنَ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ)) ''تمام بنی آدم نہایت خطا کار ہیں' تاہم ان خطا کاروں میں بہتر لوگ وہ ہیں کہ جو بہت توبہ کرنے والے ہیں''۔ لیکن زندگی میں جب انسان کی گاڑی کا پہیہ تیز چل رہا ہو تو بسا اوقات اُسے اپنے اندر جھانکنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ اور میری زندگی کا پہیہ بہت تیز چلا ہے۔ میرے سفر دن رات برابر چل رہے تھے۔ ایک زمانے میں مولانا جعفر شاہ پھلواری نے میرے مشغولات کے بارے میں کہا کہ تم کیا کر رہے ہو' انہوں نے انگریزی کے ایک محاورے کا اردو ترجمہ کیا: ''تم اپنی شمع کو دونوں طرف سے جلا رہے ہو''۔(You are burning your candle at both ends) بعد میں ایک صاحب نے اس میں اضافہ کیا کہ تم تو صرف both ends سے نہیں بلکہ بیچ میں سے بھی جلا رہے ہو۔ تو مجھ پر اللہ کا فضل ہے کہ بہت حرکت رہی ہے۔ تو ایسی حرکت و برکت میں انسان کو بسا اوقات اپنے اندر جھانکنے کا موقع نہیں ملتا' اپنی کوتاہیاں نظر نہیں آتیں۔ گناہ گار تو سبھی ہیں' کون نہیں ہے! یا تو اللہ کے نبی اور رسول معصوم ہیں یا پھر بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ محفوظ تھے۔ معصوم تو نہیں تھے' محفوظ تھے اس معنی میں کہ ان کی نیت غلط نہیں ہوتی تھی چاہے کام غلط ہو جائے۔ صحابہ کرام ؓ کا تزکیہ نفس جس طرز پر محمد رسول اللہ ﷺ نے کر دیا تھا ان کی نیت میں غلطی یا فساد نہیں ہوسکتا تھا۔ اجتہادی غلطی البتہ ہوسکتی تھی۔ یا پھر شیعوں کے ہاں تصور ہے امامِ معصوم کا کہ وہ معصوم ہوتے ہیں' وہ ہم تو نہیں مانتے۔ ہم تو حضرت ابوبکر ؓ کو بھی معصوم نہیں مانتے تو اور کس کو مانیں گے۔ ابوبکر الصدیق ؓ انبیاء کے بعد بالتحقیق تمام انسانوں میں افضل ترین انسان ہیں' اس میں کوئی شک نہیں' لیکن وہ بھی معصوم نہیں تھے۔ غلطی ہوسکتی تھی' لیکن غلطی نیت کی نہیں' نیک نیتی کے ساتھ خطا ہو جانا' غلطی کھا جانا' بھول چوک ہو جانا ممکن ہے۔

بہرحال جب میری یہ حرکت اور پہیہ تیز چلنے سے ذرا کم ہوا ہے تو اپنی کچھ خامیوں کی طرف توجہ ہوئی ہے اور یہ مہلت اللہ نے دی ہے کہ جس میں اس کی اصلاح کا موقع مل گیا ہے اور بعض چیزوں سے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔ تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بھی اپنی جگہ پر اللہ کا ایک فضل ہے' اگر وہ اس کے کام میں استعمال ہو جائے۔ جیسا کہ سورۃ الانشراح کے آخر میں آتا ہے: ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۞ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ۞﴾ ''اے نبیؐ! جب آپ فارغ ہو جائیں تو عبادت کی مشقت میں لگ جائیں اور اپنے ربّ ہی کی طرف لو لگائیں''۔ اور فارغ کب ہوں گے؟ غور کیجیے' جب عرب میں دین کا ڈنکا بج جائے گا' آپؐ کے فرضِ منصبی کا پہلا مرحلہ مکمل ہو جائے گا جو آپؐ کے دستِ مبارک سے ہونا ہے! باقی پوری دُنیا میں دین کا ڈنکا بجانا آپؐ کی اُمت کا کام ہے' آپؐ کا نہیں ہے۔ لہٰذا جب جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کی حکومت قائم ہوگئی تب آپ فارغ ہو جایئے گا۔ دعوت و تبلیغ کے کاموں سے حضور ﷺ کو ایک اعتبار سے تکلیف ہوتی تھی۔ یہ عجیب نکتہ ہے۔ سورۃ الانشراح اور سورۃ الضحیٰ یہ دونوں سورتیں بڑا خوبصورت جوڑا ہے' میں نے ان کی شرح میں تفصیل سے یہ نکتہ بیان کیا ہے۔ دیکھئے' ایک کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ایک انسان اللہ سے لو لگائے بیٹھا ہے' اس میں جو لذت ہے اسے میں اور آپ نہیں سمجھ سکتے۔ ایک یہ کہ جاؤ تبلیغ کرو! تو کوئی کہے گا تم پاگل ہو' تمہارا دماغ خراب ہے' تم جھوٹے ہو۔ اس سے دل پر کدورت آئے گی یا نہیں؟ اس کیفیت کو علامہ اقبال نے اپنے ایک خطبہ The Difference between Mystic & Prohetic Experience میں بیان کیا ہے۔

ایک ہوتے ہیں اولیاء اللہ' درویش جو اللہ سے لو لگا کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ مگر رسول اور نبی کو حکم ہوتا ہے کہ جاؤ ہر دروازے پر دستک دو' لوگ تم پر پتھر پھینکیں تو برداشت کرو۔ اس میں تکلیف پتھر کی نہیں ہوتی' بلکہ اس بات کی ہوتی ہے کہ جو لذت اللہ کے ساتھ لو لگنے کی کیفیت میں تھی وہ مجھے نہیں مل رہی' اس میں کمی آ گئی ہے۔ اس کی intensity میں کمی ہوگئی ہے۔ تو شروع میں حضور ﷺ کو تبلیغ میں بڑی تکلیف ہوئی

ہے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس کام سے مانوس کر دیا۔ فرمایا:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۞ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ۞ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ ۞ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ۞ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۞ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۞﴾

''(اے نبیؐ!) کیا ہم نے آپ کا سینہ آپؐ کے لئے کھول نہیں دیا؟ اور آپ سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا جو آپ کی کمر توڑے ڈال رہا تھا۔ اور آپؐ کی خاطر آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔ پس حقیقت یہ ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔ بے شک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے''۔

اے نبیؐ! اس سختی کو جھیل کر ہی پھر آسانی آئے گی، یہ سختی جھیلئے۔

اسی کیفیت کے ضمن میں شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا ایک قول علامہ اقبال نے نقل کیا ہے۔ وہ گنگوہ میں اپنی خانقاہ کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے، اللہ سے لو لگی ہوئی تھی، اُدھر اقامت ہو گئی، جماعت کھڑی ہو گئی۔ ''قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ'' کی آواز آئی تو وہاں سے نکلے اور آ کر جماعت میں کھڑے ہو گئے۔ لیکن جھنجھلا کر کہا ''حضوری سے نکال کر دربانی میں کھڑا کر دیا''۔ یعنی میں مراقبے میں تھا تو اللہ کے حضور میں تھا، اب یہ دربانی کی کیفیت ہے۔ لیکن دربانی فرض ہے، نماز پڑھنی پڑے گی، چاہے تمہیں بیٹھ کر مراقبہ کرنے میں زیادہ لذت محسوس ہو رہی ہے، لیکن نماز فرض ہے، ادا کرنی ہو گی۔ ''قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ'' کے الفاظ آ گئے تو پھر چاہے کیسی بھی کیفیت طاری ہو آپ کو وہاں سے نکل کر آنا پڑے گا۔ بہرحال عمر کا بڑھنا بھی ایک اعتبار سے خیر ہے۔ مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہے جو مجھے اللہ کے فضل و کرم سے ہوا۔

دوسری بات یہ کہ الحمد للہ، ثم الحمد للہ میں اس اعتبار سے اپنے آپ کو خوش قسمت ترین انسان سمجھتا ہوں کہ میرے ذریعے سے اللہ نے ایک ٹیم تیار کر دی ہے جو اس مشن کو لے کر آگے بڑھ رہی ہے، اور آگے بڑھتی رہے گی، ان شاء اللہ۔ میں تو چھوٹا آدمی ہوں، بہت سے بڑے بڑے آدمی بھی دُنیا سے ایسے گزر گئے کہ وہ کوئی ٹیم پیدا نہیں کر سکے، بس بڑائی ان کی حد تک محدود رہی، بعد میں آگے نہیں چلی۔ اس دور

میں تو اکثر و بیشتر ایسا نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے میں بہت خوش قسمت ہوں۔ شیخ احمد سرہندیؒ کے چار ہی بیٹے تھے‘ چاروں امام تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کے بھی چار ہی بیٹے تھے‘ جن میں سے تین تو چمکے‘ لیکن چوتھا خود نہیں چمکا تو اس کا بیٹا شاہ اسماعیل شہیدؒ چمکا۔ اللہ نے مجھے بھی چار بیٹے دیئے ہیں۔ ان میں سے اس وقت تین میرے اس مشن میں بالفعل میرے ساتھی ہیں۔ وہی درس قرآن‘ تدریس جمعہ‘ خطاب جمعہ‘ خطبۂ جمعہ‘ دورۂ ترجمہ قرآن کی مصروفیت سنبھالے ہوئے ہیں۔ چوتھا بیٹا بھی اس دعوتِ قرآنی کی عالمی سطح پر نشر و اشاعت کا کام آڈیو ویڈیو کے ذریعے سے‘ سمع و بصر کے ذریعے سے کر رہا ہے اور ہمہ وقت اس میں لگا ہوا ہے‘ لیکن اس کا ابھی درس و تدریس کا معاملہ شروع نہیں ہوا‘ ہو جائے گا‘ ان شاء اللہ‘ مجھے یقین ہے۔ اس کے علاوہ کم و بیش ایک سو میرے معنوی بیٹے ہیں کہ جو اِس کام کو کر رہے ہیں‘ لہٰذا مجھے بہت اطمینان ہے۔ میں چاہوں گا کہ جسے بھی میری ذات کے ساتھ کوئی دلچسپی ہے وہ میری کتاب ''دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر'' ضرور بالضرور پڑھے۔ وہ کوئی بہت ثقیل کتاب بھی نہیں ہے‘ دلچسپ کتاب ہے‘ خاص طور پر اس کا ۴۰ صفحے کا جو میں نے مقدمہ لکھا ہے وہ میری محبوب ترین تحریروں میں سے ہے۔

اصل میں یہ ساری بات میں آپ سے اس لئے کر رہا ہوں کہ اس مسجد میں خطابِ جمعہ کی مستقل ذمہ داری ایک طویل عرصے سے میں نے اٹھائے رکھی ہے۔ اس دوران میں یہاں کی انتظامیہ نے کبھی کوئی رخنہ نہیں ڈالا‘ میں ان اصحاب کا بہت شکرگزار ہوں۔ میں تو بس آتا ہوں جمعہ کے دن‘ اور خطاب اور نمازِ جمعہ کے بعد چلا جاتا ہوں‘ بعد ازاں اس مسجد سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ پنج وقتہ نماز تو میں یہاں ادا نہیں کرتا۔ پانچ میل دُور سے میں یہاں آتا ہوں۔ قابل تحسین و تشکر تو یہ بات ہے کہ یہاں کی انتظامیہ نے کبھی کوئی رخنہ نہیں ڈالا‘ حالانکہ ایسے مراحل بھی آئے ہیں جن میں مَیں نے وقت کی حکومت پر شدید ترین تنقیدیں کی ہیں‘ اور یہ مسجد حکومت کے زیرِ انتظام ہے۔ اس مسجد کی ایک مینیجنگ کمیٹی ہے جس میں چند لوگ کرنل سلامت اللہ مرحوم کے ساتھی‘

ہم نشین اور colleagues ہیں‘ لیکن اصل میں یہ ہمارے صوبائی محکمۂ زراعت کے تابع ہے‘ اس کا سیکریٹری بربنائے عہدہ انتظامی کمیٹی کا چیئرمین ہوتا ہے۔ ایک زمانے میں تو مجھے بھی اس کمیٹی میں شامل کر دیا گیا تھا‘ لیکن میں جب آتا تھا تو کمیٹی میں انتظامی معاملات زیر بحث آتے تھے جن سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی‘ چنانچہ میں نے معذرت کر لی۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میرے کام میں کبھی کوئی رکاوٹ نہیں آئی‘ حالانکہ جنرل ضیاء الحق صاحب پر میں نے تنقیدیں کیں‘ اس کے بعد بے نظیر پر اور پھر نواز شریف پر تنقیدیں کی ہیں‘ خود مشرف صاحب پر تنقیدیں کی ہیں‘ لیکن کسی نے میرے معاملے میں کوئی دخل نہیں دیا۔ اس پر میں بہت ممنون و مشکور ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے کبھی کوئی inhibition محسوس نہیں کی کہ مجھے یہ بات نہیں کہنی چاہئے‘ کیونکہ یہ مسجد سرکاری انتظام میں ہے۔ تیسری بار میں پھر ان حضرات کا شکریہ ادا کر رہا ہوں‘ اس لئے کہ حضورﷺ کا قول ہے: ((مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ)) ’’جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرے گا‘‘۔

اب خطابِ جمعہ کی اس مستقل ذمہ داری سے میں ریٹائر ہو رہا ہوں‘ سبکدوش ہو رہا ہوں۔ میری طرف سے عزیزم عاکف سعید موجود ہیں‘ ان کی خدمات حاضر ہیں۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ ؎

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر لائق میراثِ پدر کیونکر ہو!

تو اللہ کا شکر ہے کہ میرا فکر‘ میری سوچ‘ میرا فہم قرآنی جتنا کچھ بھی اللہ نے مجھے عطا کیا‘ یہ اس کے وارث ہیں۔ بڑے بیٹے ڈاکٹر عارف رشید بھی وارث ہیں۔ وہ کئی سال سے مسجد جامع القرآن‘ قرآن اکیڈمی میں خطبۂ جمعہ دے رہے ہیں۔ بہر حال اب یہ کام میں عزیزم عاکف سعید کے حوالے کر رہا ہوں‘ ان کی خدمات اس مسجد کے لئے دستیاب رہیں گی۔ میں یہاں کرنل سلامت اللہ صاحب کے حکم پر آیا تھا۔ وہ بزرگ آدمی تھے۔ اب میں نے چار پانچ دن پہلے ان کے صاحبزادے سلیم سلامت اللہ صاحب سے

بات کی تھی جو "اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ" کے مصداق اپنی شرافت میں، سادگی میں اپنے والد ہی کی مانند ہیں۔ مگر کرنل صاحب تو بڑی رعب داب والی شخصیت تھے۔ وہ بہت دبنگ آدمی تھے، ان کی آواز بھی بہت بھاری تھی۔ وہ بات تو بہر حال بیٹے میں نہیں ہے، لیکن شرافت اور شائستگی ان کے اندر موجود ہے۔ میں نے ان کو بتا دیا تھا کہ میں اب یہ ذمہ داری ادا نہیں کر سکوں گا۔ اب یہ سارا معاملہ درحقیقت مجلس منتظمہ کا ہوگا، وہ کوئی اور متبادل انتظام کرنا چاہیں تو کر لیں، ورنہ میری طرف سے میرا بیٹا اس خدمت کو انجام دینے کے لئے حاضر ہے اور مہیا رہے گا۔ میں نے ایک پیسے کی کوئی remuneration آج تک ان پچیس برسوں میں یہاں سے نہیں لی۔ یہی انداز میرے بیٹے کا ہوگا۔ اس طرح سے کوئی بوجھ مسجد پر اس اعتبار سے نہیں ہوگا، اور اس دوران میں جب بھی کبھی طبیعت میں خصوصی انشراح میں نے محسوس کیا تو میں بھی کبھی کبھار آتا رہوں گا۔

میں ابھی آپ کو بتا دیتا ہوں کہ میرے عوارض کیا ہیں جن کی وجہ سے میں اب ریٹائرمنٹ لے رہا ہوں۔ کچھ میں نے عید کے خطبے میں بیان بھی کر دیئے تھے، کچھ میں نے اتوار کو قرآن آڈیٹوریم میں ہونے والے درسِ قرآن میں بیان کر دیئے تھے، لیکن یہاں اس وقت پوری وضاحت سے یہ باتیں بیان کر دوں گا، کیونکہ اس خطابِ جمعہ کا کیسٹ پوری دُنیا میں مختلف جگہوں پر سنا جاتا ہے۔ یہ انٹرنیٹ پر بھی up load ہو جاتا ہے اور پھر پوری دُنیا میں سنا جا سکتا ہے۔ امریکہ میں لوگ میرا یہ خطبہ سننے کے بعد جمعہ کی نماز کے لئے جاتے ہیں، اس لئے کہ ہمارا ان سے وقت کا نو گھنٹے کا فرق ہے، امریکہ ہم سے نو گھنٹے پیچھے ہے۔ تو یہ شام تک یہاں سے اپ لوڈ ہو جائے گا اور وہ وہاں پر سنیں گے، سننے کے بعد پھر وہ اپنے جمعہ کے لئے جاتے ہیں۔ یہ صورتِ حال ہمارے امریکہ کے ساتھیوں کی ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ اس دوران میں جب بھی طبیعت بہتر ہوئی، کوئی خصوصی انشراح ہوا تو گاہے گاہے مہینے یا دو مہینے میں ایک یا دو دفعہ میں حاضر ہوتا رہوں گا۔ مگر یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا اگر عزیزم عاکف سعید ہی کو یہاں کی مینجمنٹ نے قبول کیا، ان کی خدمات کو یہاں جاری رکھا تو پھر میرے لئے بھی یہ

دروازہ کھلا رہے گا۔ بہرحال ایسا کوئی موقع ہوگا تو اس کے لئے میں اشتہار دے دیا کروں گا کہ اب اس جمعہ میں مجھے آنا ہے۔ اور اشتہار ہم صرف ایک اخبار میں دیتے ہیں' کیونکہ یہ کافی مہنگا ہوتا ہے۔ نوائے وقت کے اندر ہمارا چھوٹا سا اشتہار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے آپ اس کو دیکھ لیا کیجئے گا۔

اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میری معذوریاں کیا ہیں۔ دیکھئے سب سے پہلے مجھے گھٹنوں کی شدید تکلیف ہوئی' جس سے مجھے کھڑے ہونے میں دقت ہوئی' چلنے میں دقت ہوئی' اور پھر جب میں نے اس کا آپریشن کرالیا تو یہ جو مصنوعی گھٹنے ہیں ان کے ساتھ چلتے ہوئے بیلنس صحیح نہیں رہتا' اور خاص طور پر اونچی نیچی جگہ پر پاؤں ذرا سا اِدھر اُدھر پڑ جائے تو آدمی گر جاتا ہے اور گر جانے کی شکل میں یہ artificial گھٹنا نکل جاتا ہے اور پھر اس کا کوئی علاج نہیں ہوتا' سوائے اس کے کہ ٹانگ کو fuse کر دیا جائے۔ اس طرح ٹانگ سیدھی رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بچائے! میں اس دوران میں دو مرتبہ گر چکا ہوں' ایک دفعہ سیالکوٹ میں سڑک پر گرا ہوں جب میں وکلاء کی بار ایسوسی ایشن میں تقریر کے لئے جا رہا تھا۔ انہوں نے پھولوں کی پتیاں ایسے نچھاور کیں کہ مجھے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا' اس دوران میرا پاؤں ذرا کہیں پڑا تو میں گر گیا' لیکن اللہ نے بچایا' گھٹنے کو کچھ نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ جب پچھلے دنوں مجھے کھانسی شدید ہوئی تھی' کئی مہینے رہی تھی اور چار جمعے میری غیر حاضری میں گزرے' اس دوران میں غسل خانے میں گر گیا تھا' لیکن اللہ کا فضل ہے کہ نہ تو کولہے کی ہڈی ٹوٹی اور نہ ہی میرے گھٹنوں کا معاملہ upset ہوا۔ تو ابھی تک اللہ نے بڑا فضل کیا ہے' لیکن اب میں بیلنس نہیں رکھ سکتا۔ اسی لئے وضاحت کر دوں کہ یہ جو کار میں یہاں تک لے کر آتا ہوں' اس لئے نہیں کہ اس طرح میں کوئی اپنی بڑائی دکھانا چاہتا ہوں' بلکہ دراصل یہ جو راستہ ہے اس کا فرش ہموار نہیں ہے' کہیں کوئی اینٹ نکلی ہوئی ہے' کہیں بیٹھی ہوئی ہے' اور اس پر چلتے ہوئے مجھے بعض اوقات چکر آیا اور میں گرتے گرتے بچا۔ تو پھر طے کیا کہ یہ گاڑی یہاں تک آ جائے۔

اس کے علاوہ میری کمر میں تکلیف ہے جو سن ۱۹۸۵ء سے شروع ہوئی تھی اور دو مرتبہ اس کا شدید دورہ ہوا' ایک مرتبہ تو میں کراچی سے ہوائی جہاز میں سٹریچر پر آیا تھا۔ یہ سٹریچر تین سیٹوں کے اوپر لگا ہوا تھا' کیونکہ میں نہ کھڑا ہو سکتا تھا نہ بیٹھ سکتا تھا۔ جب تک گھٹنوں کی تکلیف تھی اور میں pain killers کھاتا رہا تو وہ دبی رہی۔ اب جب گھٹنوں کی تکلیف ختم ہو گئی' میں نے وہ دردکش ادویہ کھانی چھوڑ دی ہیں تو وہ تکلیف جاگ گئی۔ میری کمر میں ریڑھ کی ہڈی میں دو جگہ پر نقص ہے' اور یہ سب اس لئے ہوا ہے کہ میں درس کے دوران اڑھائی اڑھائی' تین تین گھنٹے چوکی کے اوپر چوکڑی مار کر بیٹھتا تھا۔ مسجد خضراء میں اتوار کی صبح کو جب درس ہوتا تھا تو بعض اوقات تین گھنٹے ہو جاتے تھے اور میں ٹس سے مس نہیں ہوتا تھا' میرا posture جوں کا توں وہی ہوتا کہ آلتی پالتی مار کر بیٹھا ہوا ہوں۔ آخر اِن چیزوں کا اثر ہوتا ہے۔ تو دو جگہ سے ریڑھ کی ہڈی خراب ہے۔ نیچے والی جگہ کی وجہ سے میں کھڑا نہیں رہ سکتا' کیونکہ پٹھوں میں سخت کھچاؤ ہوتا ہے اور اوپر والی جگہ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر میری نشست مسلسل زیادہ لمبی ہو جائے تو اس میں شدید تکلیف ہوتی ہے۔ یہاں آنے میں میری sitting اڑھائی' تین گھنٹے کی ہو جاتی ہے۔ میں قرآن اکیڈمی سے گاڑی کے اندر بیٹھ کر آتا ہوں اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر واپس جاتا ہوں۔ یہاں کی تقریر میں نے ایک گھنٹے کی کر دی تھی۔ پھر یہاں خطبہ سننا ہوتا ہے' نماز پڑھنی ہوتی ہے' تو میرے اوپر کے حصّے میں شدید تکلیف ہوتی ہے۔

مزید برآں میری یادداشت میں کمی شروع ہو چکی ہے۔ اب تقریر کے دوران خیالات کا بہاؤ وہ نہیں ہوتا جو پہلے ہوتا تھا۔ کبھی کوئی لفظ بھول جاتا ہوں' کبھی نام بھول جاتا ہوں' اور جو چیز بھول جائے وہ یاد کرنے سے یاد نہیں آتی' پھر خود بخود یاد آ جاتی ہے۔ اب ﴿وَمَنۡ نُّعَمِّرۡهُ نُنَكِّسۡهُ فِى الۡخَلۡقِ﴾ کا معاملہ شروع ہو چکا ہے۔ بہرحال میری عمر ستر برس کی ہو چکی ہے' اب اکہترواں سال اپریل میں شروع ہو جائے گا' اور اےواں تو شمسی حساب سے ہے' جبکہ قمری اعتبار سے عمر ۷۳ برس ہو چکی ہے۔ یادداشت کی یہ کمی شدت کے ساتھ تقریر وغیرہ کے دوران مانع ہوتی ہے۔

مجھے کوئی پچیس برس سے بلڈ پریشر کی تکلیف چلی آ رہی ہے' دواؤں سے وہ کنٹرول میں تو رہتی ہے لیکن اس کا اثر دماغ کی شریانوں پر پڑتا ہے۔ چنانچہ پچھلے دنوں مجھے بڑی عجیب قسم کی کھانسی ہوئی تھی جس میں مَیں بے ہوش بھی ہو جاتا تھا' ایسا دورہ پڑتا تھا۔ پھر اس کے لئے ایم آر آئی کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ خون کی سپلائی کسی وقت صحیح نہیں ہوئی تو اس سے اتنا حصّہ dead ہو گیا' تو اس کے dots موجود ہیں۔ یہ ہیں میری وہ معذوریاں' مجبوریاں جن کی وجہ سے اب میں ریٹائر ہو رہا ہوں اور اب میری یہاں پر آمد مستقل نہیں ہوگی۔ البتہ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا ہے' طبیعت میں انشراح ہوا' طبیعت بہتر ہوئی تو کبھی میں خود بھی آ جایا کروں گا۔ بہر حال ایک محبت بھرا تعلق ہے جو پچیس برس پر محیط ہے۔ حفیظ نے کہا تھا۔

تکمیل و تدوین فن میں جو بھی حفیظ کا حصّہ ہے
نصف صدی کا قصہ ہے' دو چار برس کی بات نہیں

تو میرا ربع صدی کا تعلق تو یہاں سے ہے' دس سال اور جمع کیجئے مسجد خضراء کے تو پینتیس سال ہوئے۔ پانچ سال مزید جمع کیجئے ساہیوال کی مسجد کے تو اس طرح چالیس برس مجھے خطابِ جمعہ کرتے ہوئے ہو گئے' حالانکہ میں نہ مستند مولوی ہوں' نہ سکہ بند عالم دین نہ پیشہ ور مولوی۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ!

پیشہ اللہ نے مجھے وہ دیا تھا جسے نوبل پروفیشن کہا جاتا ہے' یعنی ڈاکٹری۔ میں نے ہمہ وقت دین کے کام کے لئے اس کو بھی تج دیا۔ حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ ہماری کیا نسبت ہو سکتی ہے' لیکن ہم اور کس سے نسبت تلاش کریں! ہمیں تو آپؐ ہی سے نسبت چاہئے۔ ایک چھوٹی سی اور معمولی سی نسبت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی عمر شریف کے چالیس برس تک بھرپور زندگی گزاری اور وقت کی بلند ترین سطح پر کاروبار کیا۔ آج کی اصطلاح میں ایکسپورٹ' امپورٹ کہہ لیجئے۔ قافلے جا رہے ہیں' آ رہے ہیں۔ لیکن جیسے ہی وحی کا آغاز ہوا' اس کے بعد ایک لمحہ معاش کے لئے صرف نہیں کیا۔ سارا وقت اللہ کے دین کی تبلیغ اور اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کے لئے وقف

کر دیا۔ اس میں نظر بندی بھی آئی' اس میں پتھراؤ بھی آئے' اس میں زخمی بھی ہوئے' اس میں آپؐ زیادہ لہو بہہ جانے کی وجہ سے بے ہوش بھی ہوئے۔ غزوۂ احزاب کے دوران آپؐ نے اپنے پیٹ پر دو دو پتھر بھی باندھے ہیں۔ کیا نہیں ہوا! مگر اب کوئی لمحہ بھی تلاشِ معاش میں نہیں گزرا۔ جب تک مکہ میں تھے' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دولت تھی' گزارہ چل رہا تھا۔ مدینہ آ کر کچھ عرصہ تک تو حال یہ تھا کہ کسی نے کہیں کچھ پہنچا دیا تو کھا لیا۔ آمدنی کا مستقل ذریعہ تھا ہی نہیں۔ ہاں جب غزوات شروع ہوئے ہیں تو جو مالِ غنیمت میں سے خمس نکلتا تھا اس میں اللہ کے رسول ﷺ کا بھی حصہ تھا' آپؐ کے قرابت داروں کا بھی تھا' اور خاص طور پر مالِ فے تو پورا کا پورا بیت المال کا ہوتا تھا' اس میں آپؐ تصرف کر سکتے تھے' اپنے لئے بہتر لے سکتے تھے' لیکن اُس وقت بھی یہ حال رہا ہے کہ کئی کئی وقت گزر جاتے تھے اور چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔

فروری ۱۹۷۱ء کی بات ہے' میں خانہ کعبہ کے سامنے حطیم کے اندر بیٹھا ہوا تھا' اس وقت تک میں بڑی کشمکش میں تھا کہ دعوتِ قرآنی کا کام اب اتنا بڑھ گیا ہے کہ میڈیکل پریکٹس میں اب میں وقت نہیں لگا سکتا۔ دو ہی صورتیں ہیں' یا تو میں دعوت کے کام کو مختصر کر دوں یا پھر ڈاکٹری چھوڑ دوں۔ حال یہ تھا کہ میری کوئی جائیداد نہیں تھی' کوئی زمین نہیں تھی' کچھ بھی نہیں تھا۔ بس میرا ایک مکان تھا۔ اُس وقت اچانک ذہن میں ایک بجلی سی کوندی کہ تم چالیس برس کے ہو گئے ہو۔ قمری حساب سے میں اُس وقت چالیس برس کا تھا' اگرچہ شمسی حساب سے ابھی اس میں ایک سال دو مہینے باقی تھے۔ میں نے اسی دن فیصلہ کر لیا کہ تمام وقت دعوت کے کام میں لگاؤں گا۔ اس دن سے لے کر آج تک میں نے تلاشِ معاش کے اندر کوئی ایک لمحہ بسر نہیں کیا۔ یہ ہے وہ اَدنیٰ سی نسبت جو مجھے حضور ﷺ سے حاصل ہوئی۔ اللہ کا فضل ہے' اس کا کرم ہے کہ کھلاتا پلاتا رہا ہے' لیکن کوئی جائیداد نہیں بنائی' کوئی بینک بیلنس نہیں' کسی کمپنی میں کوئی حصے نہیں۔ اس پر بھی میرا ایک کتابچہ موجود ہے ''حسابِ کم و بیش'' جس میں مَیں نے اپنے معاش کی پوری تفصیل لکھ دی ہے۔

بہرحال یہ چند باتیں آپ سے عرض کرنی تھیں۔ اَب ایک تو آپ سے درخواست ہے کہ میرے لئے دعا کریں کہ یادداشت کی کمی کا جو سلسلہ شروع ہو گیا ہے' اللہ نہ کرے' اللہ نہ کرے کہ یہ انتہا کو پہنچ جائے۔ ارذل العمر سے اللہ تعالیٰ بچائے' اس سے پہلے ہی اٹھالے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ چلتے ہاتھ پاؤں اٹھالے۔ دوسری بات آپ سے یہ عرض کرنی ہے کہ قرآن آڈیٹوریم کا درسِ قرآن جاری رہے گا۔ اس میں مجھ پر زیادہ بوجھ نہیں ہوتا۔ یہاں مجھے صغریٰ کبریٰ جوڑ کر تقریر کرنی ہوتی ہے جس کا حساب کتاب مجھے اپنا بنانا پڑتا ہے۔ وہاں قرآن کا ٹیکسٹ ہوتا ہے' بس اس ٹیکسٹ کو follow کرنا ہوتا ہے۔ اور پھر وہاں آنے جانے کی مشقت بھی نہیں ہے۔ لیکن اب وہاں بھی میں نے درس کا دورانیہ کم کر دیا ہے' ڈیڑھ گھنٹے کی بجائے اب درس ایک گھنٹے کا ہو گا۔ جن حضرات کو میرے اس بیان القرآن سے دلچسپی ہے وہ نوٹ کر لیں کہ یہاں تو اب میں نہیں آؤں گا' یا شاذ ہی کبھی آنا ہو گا' لیکن قرآن آڈیٹوریم میں فی الحال میرا درس جاری رہے گا۔ درس گیارہ بجے شروع ہوتا ہے اور آدھے آدھے گھنٹے کے دو chunks ہوتے ہیں۔ اور انہیں ہم ڈیجیٹل کے اوپر اس لئے ریکارڈ کر رہے ہیں کہ جیسے آج ''اے آر وائی'' پر میرا مسلسل دورۂ ترجمۂ قرآن چل رہا ہے' نامعلوم کتنے لوگ دیکھ رہے ہیں' کتنے مجھے ٹیلی فون آتے ہیں' کتنے خط آتے ہیں' کتنے ای میلز آتے ہیں' اسی طرح مطالعۂ قرآن کا جو میرا منتخب نصاب ہے یہ بھی وہیں اس کے اوپر شروع ہو جائے تو اس سے قرآن مجید کی دعوت بہت بڑے پیمانے پر پھیل جائے گی۔

وما ذٰلك على الله بعزيز!

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمين والمسلمات ○○

(مرتب: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ)

مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب نمبر ۲، از ڈاکٹر اسرار احمد

(اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت کے اوصاف اور تنظیمی مسائل کے ضمن میں ہدایات)

درس ۱

اقامت دین کے لئے کام کرنے والوں کے

مطلوبہ اوصاف

(۲)

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۞ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۚۛ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۟ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۞﴾ (الفتح: ۲۸، ۲۹) ...... صدق اللہ العظیم

ہمارے منتخب نصاب نمبر ایک کا حصّہ چہارم تواصی بالحق اور حصّہ پنجم تواصی بالصبر سے متعلق مباحث پر مشتمل ہے۔ ان دونوں حصّوں کے درمیان ایک خلا تھا جو اس منتخب نصاب نمبر دو کے ذریعے پُر ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ تواصی بالحق کے ضمن میں میں یہ بات عام طور پر بیان کیا کرتا ہوں کہ حق کا لفظ بہت وسیع ہے۔ حق چھوٹا بھی ہے اور حق بڑا بھی ہے۔ کسی نے کسی کے پانچ روپے دینے ہوں اور وہ نہ دے رہا ہو اور آپ

جاکر تلقین کریں کہ بھائی وہ پانچ روپے جو تمہارے ذمہ ہیں ادا کرو' تو یہ بھی تواصی بالحق ہے۔ کوئی بچہ گلی میں کھیل رہا ہو' جو کہ اصلاً کھیلنے کی جگہ نہیں ہے' اور اس سے گزرنے والوں کے لئے تکلیف کا اندیشہ ہو تو اس بچے کو یہ سمجھانا کہ بیٹا یہاں مت کھیلو' یہ بھی تواصی بالحق ہے۔ کوئی نوجوان اپنے والدین کے حقوق ادا نہ کر رہا ہو تو اسے یہ تلقین کرنا کہ اپنے والدین کے حقوق پہچانو اور ادا کرو' یہ بھی تواصی بالحق ہے۔ لیکن سب سے بڑا حق یہ ہے کہ یہ زمین اللہ کی ہے' اس پر اسی کا حکم چلنا چاہئے' جائز حکمران صرف وہ ہے۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی' باقی بتانِ آزری!

اب اس حق کا اعلان کرنا اور پھر اس حق کو فی الواقع بروئے کار لے آنا کہ ''حق بحق دار رسید'' کا معاملہ ہو جائے' جسے احقاقِ حق کہا جائے گا' یہ تواصی بالحق کی سب سے اونچی منزل ہے اور یہی بندۂ مؤمن کے فرائض دینی کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ اس کو ہم ''تکبیر ربّ'' سے بھی موسوم کرتے ہیں اور اقامت دین سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اس کو ''اظھارُ دینِ الحقِ علی الدِّینِ کُلِّہٖ'' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے لئے قرآن میں ''وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ'' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ یہی وہ منزل ہے جسے آنحضور ﷺ نے اعلائے کلمۃ اللہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ گویا بات ایک ہی ہے۔

آیۂ مبارکہ ﴿ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ﴾ قرآن حکیم میں تین مقامات پر آئی ہے۔ سورۃ التوبۃ (آیت ۳۳) اور سورۃ الصف (آیت ۹) میں آیت کا اختتام ﴿وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ﴿﴾﴾ کے الفاظ پر ہوتا ہے' جبکہ سورۃ الفتح میں الفاظ آئے ہیں: ﴿وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا ﴿﴾﴾ ''اور اللہ کافی ہے بطورِ گواہ''۔ اس سے ایک اضافی بات سامنے آتی ہے۔ اگرچہ میں عرض کر چکا ہوں کہ ''لِیُظْھِرَہٗ'' میں ضمیر فاعلی اور ضمیر مفعولی کے جتنے ممکنہ مراجع ہو سکتے ہیں ان سب کو پیش نظر رکھنے کے باوجود مراد اور معنیٰ میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا' لیکن اس آیۂ مبارکہ میں ﴿وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا ﴿﴾﴾ کے الفاظ نے معین کر دیا ہے کہ یہاں ضمیر

فاعلی میں ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' ہی مراد ہو سکتے ہیں' اللہ نہیں ہو سکتا' اس لئے کہ اللہ کو تو بطورِ گواہ لایا جا رہا ہے اور ظاہر ہے کہ گواہ اس فعل کا خود کرنے والا نہیں ہوتا' وہ کوئی نہ کوئی اس کا غیر ہوگا۔ ﴿وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا﴾ کے دونوں مفہوم ممکن ہیں۔ ''کافی ہے اللہ بطورِ گواہ'' یا ''کافی ہے اللہ بطورِ مددگار''۔ شہید کا لفظ قرآن مجید میں مددگار کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں چیلنج کے انداز میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ ۠ وَادْعُوْا شُہَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾

''اور اگر تم اس کتاب کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس کے مانند ایک سورت ہی بنا لاؤ' اور بلا لو اپنے مددگاروں کو اللہ کے سوا' اگر تم سچے ہو''۔

بہرحال یہ معلوم ہو گیا کہ یہاں ''لِیُظْہِرَہٗ'' کا فاعل اللہ نہیں ہے بلکہ محمد رسول اللہؐ ہیں۔

یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگرچہ اُمت کے نمائندہ کی حیثیت سے اور داعیٔ اوّل کی حیثیت سے محمد رسول اللہ ﷺ کو نمایاں کیا گیا ہے' لیکن یہ کام تنہا ان کے کرنے کا نہیں ہے۔ سورۃ الصّف میں اس بات کا اضافہ اس طور سے کیا گیا کہ اس آیت کے بعد اہل ایمان کو پکارا گیا:

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاہِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (آیات ۱۰'۱۱)

''اے اہل ایمان! میں بتاؤں تمہیں وہ تجارت جو تمہیں عذابِ الیم سے بچا دے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر' اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے' یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو''۔

اس میں شک نہیں کہ دین کا غلبہ محمد رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی ہے' لیکن اس کے لئے تن من دھن کھپانا اُن کی ذمہ داری ہے جو اللہ پر اور محمد ﷺ پر ایمان کے مدعی ہیں۔ لہٰذا یہ ایک اجتماعی جدوجہد ہو سکتی ہے' اس کے بغیر اس مقصد کا حصول ممکن نہیں

ہے۔ یہاں سورۃ الفتح میں اس کو واضح کر دیا یہ الفاظ لا کر ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ﴾ یعنی یہ ایک اجتماعی جدوجہد ہوگی محمد رسول اللہ ﷺ اور اُن کی جو اُن کے ساتھ ہیں (رضی اللہ عنہم)۔ گویا اس جدوجہد کے لئے ایک مضبوط اور منظم جماعت ایک ناگزیر تقاضے اور شرطِ لازم کی حیثیت رکھتی ہے۔

اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والی اس جماعت کے رفقاء کے مطلوبہ اوصاف کے ضمن میں 3-dimensional space کا تصور ذہن میں رکھئے۔

ہمارے بین الانسانی علائق میں جو خاندان کا ادارہ وجود میں آتا ہے اس میں بھی وہی 3-dimensional space کا تصور سامنے آتا ہے۔ اس کا آغاز دو افراد سے ہوتا ہے۔ جب اولاد ہو جاتی ہے تو بُعد ثانی (2nd dimension) کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب اولاد میں کثرت ہوتی ہے تو ان کے مابین رشتۂ اخوت قائم ہوتا ہے۔ یہ اس ادارے کا بُعد ثالث (3rd dimension) ہے۔ اسی طرح جو جماعت اقامت دین کی جدوجہد کے لئے کمر کسے اس کے مطلوبہ اوصاف کو بھی آپ ابعادِ ثلاثہ (3-dimensions) کے حوالے سے سمجھ لیں۔ اس میں اوّلین dimension جہاد ہے' جو مال سے بھی ہوگا اور جان سے بھی۔ اسے آپ انفاقِ مال اور بذل نفس کہہ لیں یا جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کہہ لیں' کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ یہ وہ چیز ہے جو ہمارے منتخب نصاب میں بتمام و کمال وضاحت سے آ چکی ہے۔ سورۃ الصّف میں ﴿وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ سورۃ التوبہ میں ''اظہارُ دینِ الحق'' کی آیت مبارکہ سے کچھ ہی پہلے یہ آیت آئی ہے:

﴿قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ﴾ (آیت ۲۴)

''(اے نبیؐ!) کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ' تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی'

تمہاری بیویاں' تمہارے عزیز و اقارب' تمہارے وہ مال جوتم نے کمائے ہیں' تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے' اور تمہارے وہ گھر جوتم کو پسند ہیں' تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔''

پھر اس جہاد سے کنی کترانے پر جو سزا انفاق کی صورت میں ملتی ہے اس کا تذکرہ بھی منتخب نصاب میں سورۃ المنافقون اور سورۃ الحدید میں آ چکا ہے۔ اس جہاد کے لئے ابتدائی طریقۂ کار اور اساسی منہاج سورۃ الجمعہ میں بیان ہو گیا کہ ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ یعنی یہ سارے کا سارا کام قرآن حکیم ہی کے ذریعے ہو گا۔ پھر اس جہاد میں صبر و مصابرت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ہمارے منتخب نصاب کا حصہ پنجم ان ہی مباحث پر مشتمل ہے۔ تو ایک dimension تو وہاں آ چکی۔

اب آیئے دوسری dimension کی طرف۔ ویسے تو عام اخلاقی اور معاشرتی و سماجی سطح پر اور دین کے اصل خلاصے اور لب لباب کی حیثیت سے وہ دو چیزیں بھی ہمارے منتخب نصاب میں آ چکی ہیں' یعنی اولاً مسلمانوں کا باہمی رشتۂ اخوت سورۃ الحجرات میں بیان ہو چکا ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ ''مؤمن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔ اور ثانیاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک تعلق جو ایمان کا لازمی تقاضا ہے اور اس کے لئے خاص طور پر نماز کی اہمیت بھی قرآن حکیم کی روشنی میں بیان ہو چکی۔ سورۃ المؤمنون اور سورۃ المعارج کی آیات میں نماز کو تعمیر سیرت کی اساسات میں سے اہم ترین اساس کی حیثیت سے بیان کیا گیا۔ سورۃ البقرۃ کے انیسویں رکوع میں الفاظ آ گئے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ ''اے اہل ایمان! صبر اور نماز کے ذریعے مدد حاصل کرو''۔ ان دونوں dimensions میں سے ایک کا تعلق اپنے ہم مقصد ساتھیوں سے اور ایک کا تعلق اللہ سے ہے جس کے لئے یہ کام کر رہے ہیں۔ ان کی ایک اضافی شان اس سطح پر آ کر نمایاں ہونی چاہئے۔ چنانچہ ان دو اضافی شانوں کے لئے یہ مقامات ہم نے اس منتخب نصاب (۲) میں شامل کئے ہیں۔ یہ دو dimensions

سورۃ الفتح کی زیرِ مطالعہ آیت میں بڑی خوبصورتی سے آ گئیں: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ اصل میں تو یہاں ''رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ'' ہی بیان کرنا مقصود ہے' لیکن تُعرفُ الاشیاء باضدادھا' کسی بھی شے کو اس کی ضد کے حوالے سے صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ عام اسلوب یہ ہے کہ نفی پہلے ہوتی ہے' اثبات بعد میں۔ لہٰذا فرمایا: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ وقت کی کمی کی وجہ سے صحابہ کرام ﷺ کے واقعات یہاں بیان نہیں کیے جا سکتے' لیکن آپ ان واقعات کو ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن سے کہا تھا کہ غزوۂ بدر کے دوران اگر تم میری تلوار کی زد میں آ جاتے تو کبھی نہ چھوڑتا۔ غزوۂ بدر میں رشتہ ایمانی کے مقابلے میں سب رشتے کٹ گئے تھے اور ماموں بھانجا' چچا بھتیجا' بھائی بھائی اور باپ بیٹا ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ اگر یہ نہ ہو تو اس جدوجہد میں اگلا قدم اٹھایا ہی نہیں جا سکتا۔ حدیث نبویؐ ہے کہ مؤمن کامل صرف وہی ہے جس کی محبت اور نفرت کا معیار واحد صرف اللہ رہ جائے۔ فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ وَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ)) (ابوداوٗد)

''جس نے محبت کی تو صرف اللہ کے لئے' کسی سے بغض وعداوت رکھی تو صرف اللہ کے لئے' کسی کو کچھ دیا تو صرف اللہ کے لئے اور کسی سے کچھ روکا تو صرف اللہ کے لئے' اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی''۔

اب یہ تمام چیزیں ہمارے دروس وخطابات میں تفصیلاً آتی رہی ہیں۔ میں صرف حوالہ دے رہا ہوں۔ اس کو اب 2nd dimension سمجھیں کہ اس اجتماعی جدوجہد میں آ کر یہ رشتہ صرف اخوت ہی نہیں بلکہ رفاقت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ رفیق کے لفظ کی اصل حقیقت کیا ہے۔ رِفق' نرمی کو کہا جاتا ہے' اور اس کے لئے اقبال نے کہا ہے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

لہٰذا اس سطح پر جو کیفیت مطلوب ہے اس کو ظاہر کرنے کے لئے یہ لفظ (رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ) اخوت کے لفظ سے بھی زیادہ مناسب ہے۔

اب تیسری dimension ملاحظہ کریں:

﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾

''تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود' اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔''

''تَرٰی'' فعل مضارع ہے' اس میں حال اور مستقبل دونوں cover ہو جاتے ہیں (تم دیکھتے ہو یا تم دیکھو گے)۔ صحابہ کرام ؓ کا یہ نقشہ بالفعل تھا جسے ہر دیکھنے والا بچشم سر دیکھ رہا تھا' اور آئندہ بھی کبھی یہ جدوجہد کامیاب نہیں ہو گی جب تک کہ اس کا ایک عکس ان لوگوں کے اندر موجود نہ ہو جو اس کام کا بیڑا اٹھائیں اور اس کا داعیہ لے کر اٹھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر کام کا ایک محرک ہوتا ہے۔ اس جدوجہد کا محرکِ واحد اگر اللہ کی رضا نہیں ہے تو اب اس میں ملاوٹ ہو گئی۔ اس کو ہم ایک اعتبار سے شرک سے بھی تعبیر کریں گے' اس لئے کہ خلوص و اخلاص توحید کا لازمی تقاضا ہے' جبکہ ریا اور سمعہ شرک ہے۔ یہ شرکِ خفی ہے' لیکن شرک تو بہر حال ہے۔ حدیث نبویؐ ہے:

((مَنْ صَلّٰى يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ)) (مسند احمد)

''جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا' جس نے دکھاوے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔''

اور یہ حدیث بھی ہمارے دروس میں بارہا بیان ہو چکی ہے کہ قیامت کے روز ایک ایسے شخص کو محاسبہ کے لئے پیش کیا جائے گا جو جہاد فی سبیل اللہ کے دوران مقتول ہوا تھا اور دنیا میں شہید سمجھا جاتا تھا۔ اس سے جب اس کے اعمال کے بارے میں دریافت کیا جائے گا تو وہ کہے گا: اے اللہ! میں نے تیرے راستے میں جنگ کی تاکہ تو راضی ہو جائے اور میں نے اپنی جان دے دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کی یہ بات اس کے منہ پر

دے ماریں گے اور فرمائیں گے: ((اِنَّکَ قَدْ قَاتَلْتَ لِاَنْ یُقَالَ جَرِیْءٌ)) ''تو نے تو جنگ اس لئے کی تھی کہ کہا جائے کہ تو بہت جری ہے''۔ کہا جائے کہ بڑا جی دار آدمی ہے' دیکھو کیسے لڑ رہا ہے۔ ((فَقَدْ قِیْلَ)) ''پس وہ کہا جا چکا۔'' تمہاری مراد مل چکی' اب یہاں تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔ اور فرشتوں کو حکم ہوگا اور وہ اسے مُنہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں جھونک دیں گے۔ تو اب یہ جو خلوص و اخلاص ہے کہ یہ کام صرف اللہ کے لئے ہوگا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ بندے کا تعلق مع اللہ مضبوط ہو' اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ نماز ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ ''تم ان کو دیکھتے ہو رکوع کرتے ہوئے' سجدہ کرتے ہوئے''۔ یہ ان کی شخصیت' سیرت اور ان کے کردار کا ایک ایسا جزوِ لاینفک بن جاتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی زندگی نماز کے کھونٹے سے بندھی ہوئی ہے' وہ ان کی شخصیت کا ایک نمایاں وصف ہے۔

﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ ''اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں مشغول ہیں''۔ اب یہاں دو الفاظ آئے ہیں' اللہ کے فضل کی تلاش اور اللہ کی رضا کی تلاش۔ پہلے تو فضل کو سمجھئے۔ قرآن حکیم کے جو مقامات خود آپ کو مستحضر ہیں ان میں ذرا نوٹ کیجئے کہ فضل کس کس معنیٰ میں آیا ہے۔

سورۃ الجمعۃ میں اس دنیا کے مادی رزق کے لئے بھی فضل کا لفظ آیا ہے۔ ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾ ''پھر جب نماز ادا ہو جائے تو (اب تمہیں اجازت ہے کہ) زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو''۔ یعنی معاشی جدوجہد میں اب کوئی شے آڑے نہیں ہے' تمہیں کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ تو اس دنیا میں انسان کو جو مادی رزق حاصل ہوتا ہے' یعنی خوراک اور زندگی کے وسائل و ضروریات' یہ بھی فضل ہے۔

سورۃ الجمعۃ ہی میں حضور ﷺ کی بعثت کو اہل ایمان کے لئے اللہ کا فضل قرار دیا گیا۔ اُمیین پر یہ فضل کہ نبی ﷺ ان میں مبعوث ہوئے ہیں اور آخرین پر یہ فضل کہ وہ بھی اس اُمت میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ سب کیا ہے؟ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿﴾ ''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے' اور اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے''۔ یہ فضل حضور ﷺ پر ہوا تو سب سے بڑا فضل ہوا: ﴿اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿﴾﴾ (بنی اسرائیل: ۸۷) ''(اے محمدؐ!) آپ پر تو جو اللہ کا فضل ہوا ہے وہ بہت بڑا ہے''۔ جو مقام و مرتبہ اللہ نے اپنے نبیؐ کو عطا فرمایا وہ یقیناً بہت اعلیٰ و ارفع ہے ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر! تو یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

تیسرا فضل سورۃ الحدید میں بیان ہوا جہاں جنت کو اللہ کا فضل کہا گیا:

﴿سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿﴾﴾ (آیت ۲۱)

''دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے ربّ کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے' جو مہیا کی گئی ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے' اور اللہ بڑے فضل والا ہے''۔

اب ظاہر ہے کہ ﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ میں فضل کا پہلا مفہوم تو مراد نہیں ہو سکتا۔ معاشی جدوجہد اپنی جگہ ایک جائز جدوجہد ہے' لیکن اس مقام پر یہ مفہوم سیاق و سباق کے اعتبار سے درست نہیں ہو گا۔ بقیہ دونوں مفہوم موجود ہیں۔ ان میں سے بھی زیادہ معین طور پر سورۃ الحدید کے حوالے سے جب آپ اس کو سمجھیں گے تو وہ جنت کا حصول ہے۔ یوں سمجھئے کہ یہ ادنیٰ نصب العین ہے۔ یہاں اب ادنیٰ سے اعلیٰ کی جانب ''صعود'' ہو گا۔ یہ صعودی ترتیب ہے۔ کہیں ترتیب نزولی ہوتی ہے کہ پہلے اعلیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور پھر ادنیٰ کا۔ لیکن یہاں صعودی ترتیب ہے کہ پہلا مقصود جنت ہے' لیکن بلند تر مقصد اللہ کی رضا ہے' جو ایک بندۂ مؤمن کے لئے بلند ترین مقام ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر صحابہ کرام ؓ کے لئے خاص طور پر یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ ''اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے''۔

یہاں یہ بات نوٹ کرلیں کہ ہم پر یہ اللہ کا فضل ہوا ہے کہ ابتدا ہی سے ہم پر یہ بات واضح تھی کہ نصب العین کے درجے میں ہمارے سامنے دنیا کی کوئی شے نہیں ہو گی۔ چنانچہ دین کا غلبہ بھی ہمارا نصب العین نہیں ہے۔ اس کے لئے جدوجہد ایک فرض ہے' نصب العین نہیں ہے۔ ہمارا نصب العین صرف آخرت کی فوز و فلاح' نجات' کامیابی اور اللہ کی رضا ہے۔ نصب العین کے مقام پر اس کے ساتھ کسی اور چیز کو شامل کرنا اپنے فکر کے اندر کجی پیدا کرنا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ نماز اور روزہ دونوں فرض ہیں۔ اب ان میں سے ایک کو مقصود سمجھ لینا اور دوسرے کو اس کا ذریعہ قرار دے دینا یہ ترجیح بلا مرجح ہو جائے گا۔ یہ تمام فرائض ہیں' نماز اپنی جگہ فرض ہے' زکوٰۃ اپنی جگہ فرض ہے' اقامتِ دین کی جدوجہد اپنی جگہ فرض ہے' دعوتِ دین میں اپنی صلاحیتیں لگانا اپنی جگہ فرض ہے' لیکن ان میں سے کسی ایک فرض کو اٹھا کر نصب العین بنا دینا اور دوسرے کو اس کا ذریعہ بنا کر ایک ثانوی حیثیت تفویض کر دینا یہ بھی ترجیح بلا مرجح ہے۔ نصب العین صرف ایک ہے اور وہ ہے اُخروی نجات' جنت کا حصول اور اللہ کی رضا۔ اور ان میں بھی بلند ترین شے اللہ کی رضا ہے۔

آگے فرمایا: ﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ ''علامت ہے ان کی ان کے چہروں پر سجدوں کے آثار سے''۔ اس علامت سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ خدا ترسی کا نور اُن کے چہروں پر نمایاں ہوتا ہے۔ اب اس ضمن میں خواہ مخواہ کی بحثیں چھڑ جاتی ہیں کہ آیا کثرتِ سجود سے پیشانی پر جو نشان پڑ جاتا ہے آیا یہ بھی اس میں شامل ہے یا نہیں! اس دور کی تفاسیر میں اس موضوع پر آپس میں کچھ نوک جھونک بھی ہوئی ہے' حالانکہ میرے نزدیک وہ بے محل ہے' اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بھی یقیناً آثار میں سے ہے' اس کی نفی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی تکلفاً اپنی پیشانی کو خوب رگڑ رہا ہے کہ ذرا نشان اور ابھر آئے پھر تو یہ ریا کاری ہے۔ مزید یہ کہ سجدوں کا صرف وہی ایک اثر چہرے پر نہیں ہوتا۔ درحقیقت یہ تو چہرے کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے کہ مقامِ بندگی کا اس سے ظہور ہو رہا ہوتا ہے۔ محسوس ہوتا

ہے کہ یہ اللہ کے بندے کا چہرہ ہے۔ سجدوں کے آثار کسی معین نشان تک محدود نہیں ہیں
لیکن اس معین نشان کو اس سے زبردستی خارج کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے
سجدوں کے اثرات بہت وسیع مفہوم کے حامل ہیں۔ یوں کہنا چاہئے کہ ان کے چہرے
ان کی باطنی کیفیات کی غمازی کر رہے ہوتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظم
''شکوہ'' میں کیا خوب کہا ہے ؎

کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہے غمازِ چمن
بوئے گل لے گئی بیرونِ چمن رازِ چمن!

تو یہ چہرہ جو ہے یہ انسان کی باطنی شخصیت کا ایک عکس لئے ہوئے ہوتا ہے۔ ﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ ان کی شناخت یہ ہے کہ ان کے چہروں میں سجدوں کے آثار ہویدا ہوں گے، نمایاں ہوں گے۔

آگے ارشاد ہوا: ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ∴ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ∴﴾ ''یہ ہے ان کی مثال تورات میں، اور ان کی مثال انجیل میں''۔ یہاں پھر ترکیب کا معاملہ ہے۔ جیسے میں نے عرض کیا تھا کہ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ﴾ کے الفاظ میں ترکیبِ نحوی کا فرق پڑتا ہے کہ آیا ''مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ'' کو مرکب توصیفی مان کر وَالَّذِينَ مَعَهُ کا معطوف علیہ قرار دیا جائے اور دونوں کو جمع کر کے مبتدا مانا جائے، یا یہ کہ ''مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ'' مبتدا اور خبر سمیت پورا جملہ اسمیہ ہو اور آگے استیناف مانا جائے کہ ''وَالَّذِينَ مَعَهُ'' سے نیا جملہ شروع ہو رہا ہے۔ زیر نظر الفاظ ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾ کے معاملے میں تلاوت میں ہی ایک فرق واقع ہو جاتا ہے۔ مصحف میں ''التورٰىة'' کے بعد بھی تین نقطے لگے ہوئے ہیں اور ''الانجیل'' کے بعد بھی۔ اسے قرآن مجید کی اصطلاح میں ''معانقہ'' کہتے ہیں اور قرآن مجید میں غالباً ایسے چودہ مقامات ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ قاری چاہے پہلے تین نقطوں پر رک جائے چاہے دوسرے تین نقطوں پر۔ چنانچہ یہاں ایسے بھی پڑھا جا سکتا ہے: ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ﴾ ''یہ ہے ان کی صفت تورات

ہے میں''۔ ﴿وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ...... الآیة﴾ ''اور انجیل میں ان کی مثال یوں بیان کی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے اپنی کونپل نکالی......'' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ﴿ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ﴾ اس کو اکٹھا پڑھا جائے اور ﴿کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ﴾ کو استیناف مان کر نیا جملہ شروع کیا جائے۔ یعنی یہ دو جگہ جو تین تین نقطے ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کے مابین جو عبارت ہے وہ عبارت ماسبق سے بھی جڑ سکتی ہے اور اس کے بعد سے نیا جملہ شروع ہو جائے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ عبارت مابعد سے جڑے اور اس سے پہلے سابق جملہ ختم ہو جائے۔ قرآن حکیم میں سب سے پہلا معانقہ سورۃ البقرۃ کے بالکل شروع میں ہے۔ وہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴾ اب ''فِیْهِ'' کو ماسبق سے جوڑیں گے تو اس طرح پڑھا جائے گا ﴿ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ ''یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں''۔ ﴿هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ ''ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے''۔ اور اگر ''فِیْهِ'' کو مابعد سے جوڑا جائے تو یوں پڑھا جاسکتا ہے: ﴿ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ﴾ ''یہ بلاشبہ (اللہ کی) کتاب ہے۔'' ﴿فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴾ ''اس میں ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے''۔ اسی طرح زیرِ نظر آیت میں اگر ''التَّوْرٰىةِ'' پر وقف کرتے ہوئے یوں پڑھا جائے: ﴿ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ﴾ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ جو مثال یہاں بیان ہوئی ہے کہ نورِ بندگی سے ان کے چہرے دمکتے ہوئے ہوں گے اور سجدوں کے آثار ان کے چہروں میں نمایاں ہوں گے' یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی علامات میں سے تورات میں آئی ہوگی۔ اور اگلا جملہ اس طرح ہوگا: ﴿وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ﴾ ''اور ان کی مثال انجیل میں یہ بیان کی گئی تھی گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے اپنی کونپل نکالی' پھر اس کو تقویت دی' پھر وہ گدرائی' پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی''۔ اور اگر یوں پڑھا جائے: ﴿ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ﴾ تو اس کا مفہوم یہ ہوگا

کہ ان کی یہ علامت کہ ان کے چہروں میں سجدوں کے آثار ہویدا ہوں گے' تورات میں بھی مذکور ہے اور انجیل میں بھی مذکور ہے۔ اور آگے جو بات شروع ہو رہی ہے وہ مستقبل کی ایک پیشین گوئی ہے کہ اب یہ کھیتی کیسے پروان چڑھے گی اور اس میں کیسے ترقی ہوگی۔ بہرحال یہ دونوں امکانات بالکل مساوی ہیں اور اس میں نتیجے کے اعتبار سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ مجھے زیادہ انشراحِ صدر اسی دوسرے امکان پر ہے کہ ''الانجیل'' پر آ کر رکا جائے ﴿ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ﴾ اس لئے کہ ''القرآن یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا'' کے مصداق آگے آنے والی پیشین گوئی کا ایک معنوی تعلق سورۃ النور میں بیان کردہ وعدۂ استخلاف سے جڑتا ہے ﴿لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ﴾ (النور: ۵۵) ''وہ ان کو اس طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے''۔ ہمارے اس منتخب نصاب (۲) میں یہ مقام بھی آئے گا۔

یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام ؓ کی یہ علامات تورات اور انجیل میں موجود تھیں۔ مستند تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف بحیثیت مجموعی اس جماعت کی علامات مذکور تھیں بلکہ بعض اہم افراد کے حلئے تک بھی اہل کتاب کے ہاں موجود تھے۔ چنانچہ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر حضرت عمر فاروق ؓ کے ساتھ جو معاملہ ہوا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے مذہبی راہنماؤں نے اپنی کتابیں ہاتھوں میں لی ہوئی تھیں اور وہ ان میں مذکور حضرت عمرؓ کی شخصیت کے آثار کو دیکھ رہے تھے۔ اور اسی بنیاد پر انہوں نے بیت المقدس کے دروازے کھول دیئے۔ بہرحال حضور ﷺ اور ان کے صحابہ کا ذکر سابقہ کتابوں میں موجود تھا اور ان کے آثار و علامات پیشگی طور پر وہاں مندرج تھے۔

اب اُس وقت جو کھیتی بالفعل اُگ رہی تھی اس کا کیا خوب نقشہ کھینچا گیا ہے: ﴿کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ﴾ ''(اس جماعت کی مثال) ایک کھیتی کی مانند ہے جس نے پہلے اپنی سوئی (کونپل) نکالی' پھر اس کو

تقویت دی‘ پھر وہ گدرائی (موٹی ہوگئی)‘ پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔‘‘ سب سے پہلے کھیتی کی بڑی نرم و نازک کونپلیں اور پتیاں نکلتی ہیں‘ پھر وہ ذرا اوپر کو آتی ہیں تو ان میں کچھ قوت پیدا ہوتی ہے‘ پھر یہ ذرا گدراتی ہیں‘ موٹی ہوتی ہیں‘ اس کے بعد اپنی نال پر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ تو جس طرح کہ ایک کھیتی کا تدریجی منظر نگاہوں کے سامنے آتا ہے اسی طرح یہ صحابہ کرام ؓ کی کھیتی ہے جن میں سے ایک ایک پودے پر محمد رسول اللہ ﷺ نے جو محنت کی ہے اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ حضور ﷺ کا مقام و مرتبہ‘ آپؐ کی شخصیت‘ آپؐ کی صلاحیتیں‘ آپؐ کی استعدادِ کار اور آپؐ کی محنت و مشقت ان سب کو ذرا ذہن میں رکھئے‘ جس کے لئے امتناعِ نظیر کی بحث ہے کہ آپؐ کی کوئی مثال ممکن ہی نہیں‘ اور دوسری طرف اِس امرِ واقعہ کو سامنے رکھئے کہ آپؐ کی مکی زندگی کی دس برس کی محنت کا حاصل ایک سو افراد سے زیادہ نہیں تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کھیتی پر آپؐ کی کتنی محنت ہوئی ہوگی اور اس کا ایک ایک پودا حضور ﷺ کو کتنا عزیز‘ کتنا پیارا اور کتنا محبوب ہوگا اور حضور ﷺ کی نگاہ میں اس کی کتنی قدر و منزلت ہو گی۔ اس کے بعد جب یہ کھیتی اپچی ہے تو کس کا دل باغ باغ ہوا ہوگا؟ کس کو اپنی نگاہوں کے سامنے اپنی محنت کے ثمرات دیکھ کر خوشی حاصل ہوئی ہوگی؟ ظاہر ہے اُسی کو جس کے خون پسینے سے یہ کھیتی سیراب ہوئی اور سینچی گئی ہے۔ فیضؔ نے کہا تھا۔

دھرتی کے کونے کھدروں میں پھر اپنے لہو کی کھاد بھرو
پھر مٹی سینچو اشکوں سے‘ پھر اگلی رت کی فکر کرو!

تو جس نے اس کھیتی کو اپنے خون پسینے سے سیراب کیا ہے اس کھیتی کو دیکھ کر اس کا دل باغ باغ کیوں نہ ہوا ہوگا! اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا: ﴿يُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيۡظَ بِهِمُ الۡكُفَّارَ ؕ﴾ ’’کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ ان کے ذریعے سے کافروں کا دل جلائے‘‘۔ ظاہر ہے کہ وہ کاشت کار جس نے محنتیں کی تھیں‘ ہل چلایا تھا‘ جس نے راتوں کو جاگ کر کھیتی کو پانی دیا تھا‘ اب کھیتی اپچے گی‘ بہار پر آئے گی تو اس کا دل تو باغ باغ ہوگا۔ میں نے کئی دفعہ عرض کیا ہے کہ عربی میں عجیب کے معنی وہ نہیں جو ہم اردو میں

استعمال کرتے ہیں' یعنی کوئی unusual اور abnormal شے' بلکہ عربی میں عجیب شے وہ ہے جو دل آویز ہو' جو دل کو لبھائے' جس کو دیکھ کر انسان خوش ہو جائے۔

اب یہاں ﴿یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ کے الفاظ کے ساتھ ہی اس کا عکس بھی بیان فرما دیا: ﴿لِیَغِیۡظَ بِہِمُ الۡکُفَّارَ﴾ ''تاکہ ان کے ذریعے سے کافروں کا دل جلائے''۔ اس لہلہاتی ہوئی کھیتی کے ذریعے سے کفار کے دل جلیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ جو رکاوٹیں ڈالتے رہے' ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے کہ یہ کھیتی نہ اُگے' جنہوں نے قدم قدم پر مخالفتیں کیں' جنہوں نے ان کا راستہ روکنے کی ہر تدبیر اختیار کر لی' اس کھیتی کو ہری بھری دیکھ کر اُن کا دل تو جلے گا۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے اور ہمارے لئے اپنے دلوں کو جانچنے کے لئے ایک معیار ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی کھیتی پر جس کا دل جلتا ہو وہ حقیقت ایمان سے بالکل بے بہرہ ہے۔ اگر محمد ﷺ سے تعلق ہے تو اس کھیتی پر جیسے ان کا دل باغ باغ ہوا ویسے ہی ہر اُس شخص کا دل باغ باغ ہونا چاہئے جسے کوئی تعلق خاطر محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ صحابہؓ سے بغض ہو اور دعویٰ محمد ﷺ سے پیار کا ہو تو یہ جھوٹ ہے' اس دعویٰ میں کوئی صداقت نہیں۔ یقیناً یہ چیز ایک لٹمس پیپر ہے جو بتا دیتا ہے کہ یہ محلول acidic ہے یا alkaline ہے۔ حضور ﷺ کا وہ خطبہ دراصل اسی معیار کی وضاحت ہے:

((اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیۡ اَصۡحَابِیۡ لَا تَتَّخِذُوۡھُمۡ مِنۡ بَعۡدِیۡ غَرَضًا' فَمَنۡ اَحَبَّھُمۡ فَبِحُبِّیۡ اَحَبَّھُمۡ' وَمَنۡ اَبۡغَضَھُمۡ فَبِبُغۡضِیۡ اَبۡغَضَھُمۡ))

''میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو! میرے بعد کہیں ان کو ہدفِ ملامت نہ بنا دینا اور ان کو کہیں اپنی تنقیدوں کا نشانہ نہ بنانا۔ آگاہ ہو جاؤ' جو بھی اُن سے محبت کرے گا وہ درحقیقت میری محبت کے عکس کے طور پر ان سے محبت کرے گا اور جو اُن سے بغض رکھے گا تو وہ مجھ سے بغض کی وجہ سے ایسا کرے گا''۔

یعنی جس کو مجھ سے محبت ہو گی اس کو میرے صحابہ ﷺ سے محبت ہو گی اور جس کو مجھ سے بغض ہے درحقیقت وہی ہے جو اُن سے بغض رکھتا ہے۔ ایسے بدبخت کے دل میں دراصل رسول اللہ ﷺ سے بغض ہے لیکن وہ مصلحت کی بنا پر اس کا اظہار نہیں کرتا اور اپنا غصہ صحابہ کرام ﷺ پر نکالتا ہے۔ یہ بہت اہم بات ہے' معمولی بات نہیں' اس کو اس

آیت کے حوالے سے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اور دل میں بٹھا لیں اور اپنے دلوں کو ٹٹولتے رہیں۔

یہ ضرور ہے کہ ہم صحابہؓ میں سے کسی کو معصوم نہیں سمجھتے۔ معصومیت خاصہ نبوت ہے' لہٰذا آپ ان کے کسی فعل سے اختلاف کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں' لیکن یہ بات کہ دل میں ان کی محبت نہ رہے' ان کی عظمت اور قدر کا احساس نہ رہے' یہ درحقیقت ایمان سے محرومی کی علامت ہے۔ ان دونوں چیزوں میں فرق ہے۔ اگر ان کو معصوم سمجھیں گے تو اصل میں ختم نبوت کی مہر کو توڑیں گے۔ چنانچہ ابوبکرؓ معصوم ہیں نہ عمرؓ معصوم ہیں' تا بہ دیگراں چہ رسد! حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے خود کہا تھا کہ اگر میں سیدھا چلوں تو تم پر میری اطاعت فرض ہے اور اگر کہیں میں ٹیڑھا ہونے لگوں تو تم پر لازم ہے کہ مجھے سیدھا کرو! بس یہیں پر فرق واضح ہو گیا۔ ظاہر بات ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی شان یہ نہیں تھی کہ لوگ انہیں سیدھا کریں۔ وہاں معاملہ یک طرفہ تھا' وہ لوگوں کو سیدھا کرنے آئے تھے' لیکن معصومیت آپ ﷺ پر ختم ہوئی' اب وہ شان کسی کی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین تک کا معاملہ یہی ہے کہ اگر وہ دوسروں کو سیدھا کر سکتے ہیں تو کسی وقت ضرورت پیش آ سکتی ہے کہ لوگ انہیں سیدھا کریں۔ اس اعتبار سے اگر اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھیں گے تو گمراہی ہو جائے گی۔ ع گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی! لیکن ان کی محبت' عظمت' تعظیم اور قدر و منزلت نگاہوں میں ہونا عین لازمۂ ایمان ہے۔

آیت کے آخری حصے میں فرمایا: ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۞ ﴾ ''اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے''۔ اسی طرح کا ایک وعدہ' جیسا کہ میں نے عرض کیا' سورۃ النور میں اس سے زیادہ گاڑھی شکل میں آیا ہے۔ ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''اللہ نے وعدہ

فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے''۔

یہاں (سورۃ الفتح میں) اس دنیاوی وعدہ کا ذکر نہیں ہو رہا' بلکہ یہاں اُخروی وعدے کا ذکر ہو رہا ہے جو اصل نصب العین ہے۔ اصل بنیاد یہ ہے کہ دنیا میں صحابہؓ کے ساتھ جو وعدہ تھا وہ قطعی تھا اور وہ پورا ہوا' لیکن دنیا میں کسی اور جماعت کے ساتھ یہ وعدہ حتمی اور یقینی نہیں ہے کہ لازماً غالب کر دیئے جائیں گے۔ یہ اللہ کے علم میں ہے کہ کب کسی کام کے لئے کوئی وقت معین ہے اور اس کے لئے کب اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہوتا ہے۔ اس میں تفویض الامر الی اللہ کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہے۔ اور جب نصب العین درست ہو جائے گا تو آپ سے آپ اس میں غلطی کا احتمال ختم ہو جائے گا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ یہ بحث سورۃ الصف میں بھی آتی ہے۔ وہاں فرمایا: ﴿وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ﴾ ''اور ایک دوسری چیز جو تمہیں محبوب ہے (وہ بھی تمہیں ملے گی) اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی میں حاصل ہو جانے والی فتح''۔ اس کو دیکھئے کیسے لطیف انداز میں فرمایا: ''تُحِبُّوْنَهَا'' جو تمہیں پسند ہے' جو تم چاہتے ہو۔ یہ تمہاری ایک فطری خواہش ہے۔ ہر انسان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ جو محنت میں کر رہا ہوں اس کا نتیجہ میں اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھوں۔ اس درجے میں تمہارے ساتھ یہ وعدہ بھی ہے' لیکن یہ کوئی ضروری شے نہیں ہے۔ تم سے تو یہ مطلوب ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ لگا دو' اور جھونک دو اور اس طرح اپنے خلوص و اخلاص کا ثبوت فراہم کر دو۔ تم ثابت کر دو کہ تن من دھن اللہ سے زیادہ عزیز نہیں تھے۔ سورۃ التوبۃ کی آیت ۲۴ ذہنوں میں تازہ کیجئے جہاں ایک میزان قائم کر دی گئی ہے کہ اگر مال و دولتِ دنیا اور رشتہ و پیوند تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو پھر اللہ کا فیصلہ ظاہر ہونے کا انتظار کرو۔ تمہیں یہ ثبوت فراہم کرنا ہوگا کہ مؤخر الذکر تین محبتوں کا پلڑا مقدم الذکر آٹھ محبتوں کے پلڑے سے بھاری ہے۔ اس کا ثبوت فراہم کرنا تمہاری کامیابی کے لئے شرطِ لازم ہے۔ تم نے یہ ثبوت فراہم کر دیا تو

تم کامیاب ٹھہرے۔ لیکن دین کو بالفعل غالب کر دینا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ کتنے انبیاء آئے' انہوں نے اپنا یہ ثبوت دیا اور سرخرو ہو گئے۔ دین غالب ہو یا نہ ہو' اس کی ان سے باز پرس نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت میں کس خوش قسمت کے لئے یہ سہرا رکھا ہوا ہے جس کے سر اسے باندھنا ہے' یہ اس کا اپنا انتخاب ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾ (الحج: ۷۵) ''اللہ چن لیتا ہے ملائکہ میں سے بھی پیغام رساں اور انسانوں میں سے بھی''۔ ﴿اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ ؕ﴾ (الانعام: ۱۲۴) ''اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا کام کس سے لے اور کس طرح لے''۔ کس کا کیا مقام ظاہر کرنا ہے یہ اس کا فیصلہ ہے۔ تم نے اگر اس کی راہ میں اپنا تن من دھن لگا دیا تو تم سرخرو ہو گئے۔ تمہارا مطلوب و مقصود اور نصب العین آخرت کی فوز و فلاح اور اللہ کی رضا کے علاوہ کچھ نہیں ہونا چاہئے۔ لہٰذا اس آیت میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ دوسری بات (یعنی تمکن فی الارض) کا ذکر نہیں کیا گیا۔ البتہ یہ کام حضور ﷺ کے ہاتھوں ہو کر رہنا تھا' سو ہوا۔ پھر اس کے ساتھ خلافت راشدہ کا تتمہ آنا تھا وہ آیا۔ اب غور کیجئے کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ثقیفہ بنی ساعدہ میں انصار پورے دعوے اور دلائل کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے کہ خلافت ہمارا حق ہے' ہماری مدد سے یہ صورت پیدا ہوئی' ورنہ مہاجرین بے چارے تو بے یار و مددگار اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ دلیل بڑی قوی تھی۔ آپ سوچئے کہ یہ معاملات کتنے حساس اور کس قدر جذباتی ہوتے ہیں' لیکن حضرت ابوبکر صدیق ؓ ایک حدیث سنا رہے ہیں کہ: ((اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ)) اور بات ختم ہو گئی۔

اس ضمن میں یقیناً مشیتِ خداوندی کو دخل ہے۔ دین کا غلبہ اگر ہو گا تو بالفعل اللہ کے کرنے سے ہو گا۔ سورۃ الانفال میں ارشاد ہوا: ﴿فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡہُمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَہُمۡ﴾ کہ اے مسلمانو! یہ جو میدانِ بدر میں تم نے ستر سردارانِ قریش مار لئے تو یہ نہ سمجھنا کہ انہیں تم نے اپنے زورِ بازو سے کھیت کر لیا' بلکہ ان کو تو اللہ نے قتل کیا۔ فاعلِ حقیقی اور مؤثرِ حقیقی اللہ کے سوا کوئی اور ہے ہی نہیں۔ انسان کاسبِ اعمال تو ہے' خالقِ اعمال

نہیں ہے' خالقِ اعمال اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ تو ان دونوں چیزوں کو بیک وقت ذہن میں رکھیے۔ اللہ جب چاہے گا اس کے دین کا غلبہ ہو جائے گا۔ اگر یہ بات ذہن میں نہ ہو تو انسان عجلت پسندی کا شکار ہو جاتا ہے' پھر by hook or by crook کا معاملہ ہوتا ہے کہ اگر سیدھی انگلیوں سے گھی نہ نکلتا ہو تو انگلیاں ٹیڑھی کر کے نکالو' جو راستہ ہم نے پہلے طے کیا تھا اس راستے پر چلتے ہوئے کام نہیں ہو رہا تو کوئی راہِ یسیر (short cut) تلاش کرو' کہیں سے کوئی چھلانگ لگاؤ۔ درحقیقت یہ تمام چیزیں منطقی طور پر نصب العین کے غلط تعین کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ بات چھوٹی ہوتی ہے' لیکن اس کے نتائج بہت دور تک جا کر نکلتے ہیں۔

آیت کے آخری ٹکڑے میں جو لفظ ''مِنْھُمْ'' آیا ہے اس کے بارے میں بھی ایک دقیق بحث ہے کہ یہ مِن بیانیہ ہے یا مِن تبعیضیہ! صحابہ کرامؓ سے بغض رکھنے والے لوگ اسے ''مِن'' تبعیضیہ قرار دے کر اس سے دلیل پکڑ لیتے ہیں۔ قرآن مجید کے بارے میں ایک بنیادی بات جان لیجئے کہ اس کا ایک بڑا ''وصف لاینفک'' یہ ہے کہ اس میں اہل زیغ کے لئے بھی پوری غذا موجود ہے۔ جو کوئی کجی کا طالب ہے اس کے لئے بھی اللہ نے اس میں مواد رکھا ہوا ہے اور جو ہدایت کا طالب ہے اس کے لئے بھی اس میں وافر مواد موجود ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا﴾ ''اللہ گمراہ کرتا ہے اسی قرآن کے ذریعے سے بہتوں کو اور ہدایت دیتا ہے اسی قرآن کے ذریعے سے بہتوں کو''۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایسے مقامات موجود ہیں جنہیں اہل تشیع نے غلط معنی پہنائے ہیں۔ اسی طرح کا ایک مقام یہ ہے۔ اہل تشیع اسے ''مِن'' تبعیضیہ قرار دیتے ہیں اور اس سے یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ یہ وعدہ تمام صحابہ سے نہیں تھا' بلکہ بعض صحابہ سے تھا۔ حالانکہ یہ ''مِن'' بیانیہ ہے جو کسی کے وصف کو ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے' یعنی یہ لوگ جن میں ایمان اور عمل صالح کا وصف ہے ان سے یہ وعدہ کیا جا رہا ہے۔ یہاں ''مِن'' صرف اخبار کے لئے ہے کہ ان کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے' ان کے وصف کا بیان ہو رہا ہے۔ اوّل تو اسے مِن تبعیضیہ قرار دینا ہی

ترجیح بلا مرجح ہے۔ ان کے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ اور اگر بالفرض اس کا احتمال مان بھی لیا جائے تو منطق کے اعتبار سے جہاں احتمال پیدا ہوتا ہے وہاں دو امکانات پیدا ہوتے ہیں اور اس صورت میں وہ دلیل دونوں طرف سے ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے۔

ایک درجے میں یہ بات اس حد تک تسلیم کی جا سکتی ہے کہ جو بھی حضور ﷺ کے ساتھ تھا وہ صحابی نہیں تھا' منافقین بھی تو تھے' جو ظاہری طور پر ساتھ تھے۔ آخر وہ مسجد نبویؐ میں حضور ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب امتحان کا کڑا وقت آتا تھا تو ﴿یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا﴾ کے مصداق وہ کھسک جاتے تھے۔ لیکن بہرحال نمازوں میں تو موجود رہتے تھے' اس لئے کہ اس میں تو کوئی جان و مال کی مصیبت نہیں آتی تھی۔ البتہ نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو کسل مندی کے ساتھ۔ طبیعت میں آمادگی نہیں ہوتی تھی' انشراح اور ابتہاج کی کیفیت سے محروم تھے کہ دل کی کلی کھلی ہوئی ہو اور اللہ سے لو لگی ہوئی ہو' جس کو حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ((قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ)) ''میری تو آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔ جہاں کہیں آپؐ کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تھا' کسی چیز پر غور و فکر کرنے کی حاجت ہوتی تھی تو آپؐ فوراً نماز کی طرف رجوع کرتے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ نماز تو کلید مسائل ہے۔ نماز مؤمنوں کے لئے معراج کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن منافقین کی نماز کی کیفیت قرآن حکیم میں یوں بیان کی گئی ہے: ﴿وَاِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ...... ﴾ (النساء: ۱۴۲) ''اور جب وہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے (کسل مندی کے ساتھ) محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر''۔ لیکن بہرحال ظاہری طور پر تو وہ اس جماعت میں موجود تھے۔ بلکہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی کا یہ حال تھا کہ جب بھی حضور ﷺ کوئی خطبہ ارشاد فرماتے تو اس سے پہلے اپنی حیثیت کے اظہار کے لئے کھڑا ہو کر اعلان کیا کرتا تھا کہ لوگو! یہ اللہ کے رسولؐ ہیں' ان کی بات توجہ سے سنو اور مانو! منافقین کے ظاہر و باطن کا یہی تضاد تھا جسے سورۃ المنافقون میں بایں الفاظ بیان کیا گیا:

﴿اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ

اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ۝ (آیت ۱)

''(اے نبیؐ!) جب یہ منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ ہاں! اللہ جانتا ہے کہ آپؐ اس کے رسول ہیں' لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں''۔

تو اس اعتبار سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی ظاہری معیت تو منافقین کو بھی حاصل تھی' لیکن دل کی سچائی' راست بازی اور خلوص و اخلاص کے ساتھ حضور ﷺ کی معیت صرف صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو حاصل تھی۔ گویا آنحضور ﷺ کے ساتھ جو جماعت تھی اس میں چند کالی بھیڑیں بھی تھیں۔ اب اس میں معاملہ نسبت تناسب کا ہو جائے گا۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ اس میں کالی بھیڑوں کی اکثریت تھی تو وہ بتائے کہ پھر عالمِ واقعہ میں یہ تحریک کامیاب کیسے ہوئی؟ یہ ناممکن ہے' محالِ عقلی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جماعت میں مؤمنین صادقین کی عظیم اکثریت تھی' البتہ کچھ کالی بھیڑیں بھی تھیں' تب ہی تو یہ جدوجہد کامیاب ہوئی ہے' ورنہ کفر کی ساری شیطانی قوتیں اس کی ناکامی پر ادھار کھائے بیٹھی تھیں۔

بہرحال اس مقام پر ایک حرف ''مِن'' کی بنیاد پر یہ کہہ دینا کہ اس جماعت میں بس چند ہی صاحب ایمان اور مخلص تھے' باقی سب کے سب منافقین تھے (معاذ اللہ) یہ میرے نزدیک بالبداہت غلط ہے' اور سوائے ان لوگوں کے جو مسلوب التوفیق ہو چکے اور کسی وجہ سے اللہ کی درگارہ سے راندۂ درگاہ ہو چکے' کوئی شخص نہ دل سے اس بات کا قائل ہو سکتا ہے اور نہ زبان سے اس کا اعتراف کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنے رسول ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی محبت سے معمور فرمائے اور ہماری ہدایت میں اضافہ فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا زِدْنَا اِیْمَانًا وَّهُدًی وَّعِلْمًا نَافِعًا وَّعَمَلًا صَالِحًا مُّتَقَبَّلًا ...... آمین یارب العالمین ۝۝

تصحیح: میثاق کے گزشتہ شمارے (جنوری ۰۳ء) میں صفحہ ۵ پر سورۃ الفتح کی آخری آیت میں ﴿یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ کی جگہ ﴿یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ شائع ہو گیا ہے۔ از راہِ کرم قارئین تصحیح فرما لیں۔ ادارہ میثاق اس غلطی پر معذرت خواہ ہے۔

ہمارا دینی و تحریکی فکر

اور اس کے تقاضے

اور

امریکی معاشرہ میں دعوت و اقامتِ دین

کے کام کی ممکنہ عملی صورت

از بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

آج سے ٹھیک پینتیس سال قبل ۱۹۶۷ء میں جبکہ میری عمر بھی ٹھیک پینتیس سال ہی تھی، گویا کہ میری زندگی کے عین ''نصف النہار'' پر میرے دینی اور تحریکی فکر کا اظہار دو تحریروں کی صورت میں ہوا: ایک ''اسلام کی نشأة ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' جو مئی ۶۷ء میں شائع ہوئی ــــــ اور دوسری ''تنظیم اسلامی کی قرار دادِ تاسیس اور اس کی توضیحات'' جو اسی سال ستمبر اکتوبر میں شائع ہوئی۔ ان میں میرے دینی اور تحریکی فکر کے دو رخ بیان ہوئے ــــــ جن کی ایک دوسرے کے ساتھ عکسی (یعنی reciprocal) نسبت بھی تھی اور عونی (یعنی complementary) بھی! اور یہ دونوں گویا گاڑی کے دو پہیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ مقدم الذکر کام کے لئے پہلے ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم ہوئی، پھر قرآن اکیڈمی وجود میں آئی! جس کے تحت قرآن اکیڈمی فیلو شپ سکیم شروع کی گئی ــــــ لیکن بوجوہ ہمارا یہ کام زیادہ نہیں بڑھ سکا۔ دوسرے کام کے لئے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کی باضابطہ تاسیس ہوئی جس کے لئے ۱۹۷۷ء میں ''بیعت سمع و طاعت فی المعروف'' کی اساس اختیار کر لی گئی۔ اس دوسرے کام کی جانب الحمد للہ کہ پیش رفت خاصی اطمینان بخش تھی لہٰذا یہاں ہماری توجہ

بھی زیادہ تر اسی کی جانب ہوگئی۔

ان میں سے مقدم الذکر تحریر کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے موجودہ دنیا کے ''آسمان'' سے بحث کی' یعنی یہ کہ اس وقت پوری دنیا میں ایک عالمی (global) تہذیب کا غلبہ ہے جس کی بنیاد خالص مادی فکر و نظر پر قائم ہے جس نے اس پورے کرۂ ارضی کو پوری طرح ڈھانپ لیا ہے ـــــ جب تک اس فکر کے مدلل ابطال کی صورت پیدا نہیں ہوتی نوعِ انسانی کا اس کے رعب اور دبدبے سے نکلنا ناممکن ہے' اور جیسے علامہ اقبال نے عہدِ حاضر کے بینکنگ نظام کے بارے میں کہا تھا کہ ؎

ایں بنوک ایں فکرِ چالاکِ یہود	نورِ حق از سینۂ آدم ربود!
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام	دانش و تہذیب و دیں سودائے خام!

اسی طرح جب تک اس مادی فکر و فلسفہ کی حرمت کا پردہ چاک نہیں کیا جاتا' کسی دینی دعوت و تحریک کا پنپنا آسان نہیں ہے! جس کے لئے ایسے باہمت اور ذہین و فطین نوجوانوں کی ضرورت ہے جو ایک جانب قرآن و سنت کے ''نورِ حق'' سے اپنے قلوب و اذہان کو منور کر لیں اور دوسری جانب جدید فکر و فلسفہ اور عمرانیات کے مختلف شعبوں میں مہارت حاصل کرنے کے بعد ـــــ آج کے دور کے لئے امام غزالیؒ کی ''**تہافت الفلاسفہ**'' اور امام ابن تیمیہؒ کی ''**الرد علی المنطقیین**'' ایسی کتابیں تصنیف کریں' خواہ انہیں اس کے لئے روکھی سوکھی پر گزارا کرنا پڑے' یہاں تک کہ مارکس کی طرح فاقوں کی نوبت بھی آ جائے!

جبکہ تنظیم اسلامی کی فکری اساس خالص زمینی (down to the earth) رخ سے بحث کرتی ہے ـــــ یعنی اس کا موضوع ہر ہر فردِ نوعِ بشر کی اخروی نجات اور فوز و فلاح اور اس کے ضمن میں اپنی شخصیت اور سیرت کی صحیح رخ پر تعمیر اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے عائد شدہ جملہ فرائض کی ادائیگی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی احتیاج ہر انسان کو ہے خواہ وہ اَن پڑھ ہو یا عالم و فاضل' اور خواہ علمی کام کر سکتا ہو یا صرف بھاگ دوڑ اور جسمانی مشقت کے ذریعے دین کی خدمت کر سکے! ـــــ اس غرض کے لئے ابتداء

ہی میں دینی فرائض کی تین سطحوں کو واضح کیا گیا یعنی عبادت ربّ' شہادت علی الناس اور اقامت دین' ـــــ اور ان کے لئے سعی مسلسل اور جہد یعنی جہاد فی سبیل اللہ کی قرآنی پکار کے حوالے سے "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ ؟" کی صدا بلند کی گئی! تاکہ اقامت دین کی جدوجہد کے لئے جماعت کی شرطِ لازم پوری کی جا سکے!

میرے دینی فکر کے ان دو رخوں میں فرق صرف اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر کا ہے ـــــ ورنہ یہ دونوں ایک حیاتیاتی وحدت (Organic Whole) ہیں جن کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ممکن ہی نہیں! چنانچہ "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" میں ایک عمومی دعوت کے ادارے کا ذکر موجود ہے اور تنظیم کی قرارداد تاسیس کی توضیحات میں اس علمی کام کی اہمیت مذکور ہے! گویا دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ﴿وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ﴾ کے سے انداز میں باہم پیوست اور مربوط ہیں!

حال ہی میں امریکہ میں مقیم ہمارے بعض مخلص ساتھیوں کی یہ رائے سامنے آئی ہے کہ یہاں امریکہ میں صرف دعوت کا کام ہونا چاہئے' اقامتِ دین یا اسلامی انقلاب کا نام لینا حکمتِ عملی کے اعتبار سے بھی غلط ہے' اور معروضی حالات کے اعتبار سے بھی بہت دور' بہت دور کی بات ہے! ـــــ اس کے لئے ایک دلیل اسوۂ رسول ﷺ سے بھی دی گئی ہے کہ آپؐ نے ابتداء میں کسی انقلاب یا نظام کو بدلنے کی بات نہیں کی!

اس کے ضمن میں اوّلاً تو یہ عرض ہے کہ مؤخر الذکر دلیل حقائق پر مبنی نہیں ہے۔ غور کیجئے کہ دوسری یا چوتھی وحی ہی میں وارد شدہ الفاظ ﴿وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ﴾ کے معنے کیا تھے؟ کیا صرف اللہ اکبر کہہ دینا یا اللہ کی کبریائی کا ڈنکا بجا دینا اور اس کو بالفعل نافذ بھی کرنا؟ ـــــ بقول اقبال ؎

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست یہ مذہبِ ملّا و جمادات و نباتات!

پھر "اقامت دین" ـــــ اور عدلِ عمرانی کے قیام کا حکم کیا سورۂ شوریٰ میں وارد نہیں ہوا جو مکی دور کے وسطی زمانے میں نازل ہوئی ہے [بحوالۂ ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ اور

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُم!﴾]

ثانیاً غور فرمایئے کہ دعوتِ دین سے آپ کی مراد اس قسم کے کام ہیں جو ''دعوہ'' کے عنوان سے اسلامک سنٹرز اور بعض گروپوں کے ذریعے امریکہ میں ہو رہے ہیں یا واقعی اور حقیقی ''دعوتِ دین'' ہے (جس کے ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی شاہکار تصنیف ''دعوت دین اور اس کا طریق کار'' نہایت چشم کشا اور سبق آموز ہے!) مزید غور کیجئے کہ قرآن حکیم میں دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں: ایک ''دعوت الی اللہ'' اور دوسرے ''دعوت الیٰ سبیل الربّ'' ـــــ اب فرمایئے اللہ کی جانب دعوت دینے میں آپ اپنے مخاطب کو کس اللہ سے متعارف کرائیں گے؟ کیا وہ جو صرف خالق و رازق ہے یا وہ جو المَلِک بھی ہے اور مالِکُ المُلک بھی' اور حاکم بھی ہے اور شارع (Law giver) بھی! اب اگر آپ نے مصلحتاً دوسرے پہلو کو چھپایا تو آپ قرآنی اصطلاح ''الحاد فی اسماء اللہ'' کے جرم کے مرتکب ہوں گے ـــــ آگے آیئے ''سبیل ربّ'' سے آپ کیا مراد لیں گے ـــــ ایک لفظ میں تو اس کے لئے ''عبادت'' کی اصطلاح کفایت کرتی ہے' لیکن سوچئے کہ آپ اس عبادت کا مفہوم صرف پوجا پاٹ' حمد وثنا' یعنی صرف پرستش (worship) لیں گے یا اس کے جزوِ اعظم اطاعت کو بھی شامل کریں گے ـــــ اور پھر یہ اطاعت صرف انفرادی زندگی میں ہوگی یا نظام اجتماعی پر بھی حاوی ہوگی؟ ـــــ ساتھ ہی محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان کی دعوت بھی دیں گے تو کیا آپؐ کے اتباع میں آپؐ کی پوری زندگی کی جدوجہد کے رخ کو نظر انداز کر دیں گے اور ''اسوۂ رسول'' کو صرف نماز روزے میں اتباع' اور داڑھیوں' ٹخنوں کے اوپر پاجاموں اور مسواک تک محدود رکھیں گے؟ یا اس اسوۂ رسولؐ میں آپؐ کی پوری زندگی کی انقلابی جدوجہد کو بھی شامل کریں گے؟ ـــــ گویا بات وہی ہے کہ ؎

''جز دار اگر کوئی مفر ہو تو بتاؤ ناچار گنہ گار سوئے دار چلے ہیں!''

یہ صحیح ہے کہ ابتداءِ دعوت میں اس کے آخری مضمرات کا ڈنکے کی چوٹ بیان کرنا ضروری نہیں ہے ـــــ لیکن ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں پاکستان میں بھی مسلمانوں ہی

میں کام کرنا ہے اور امریکہ میں بھی ہمارے اوّلین مخاطب جن میں سے ابتدائی اعوان و انصار کے دستیاب ہونے کی امید کی جا سکتی ہے وہ لامحالہ مسلمان ہی ہیں ـــــ اور مسلمانوں میں دین کے نام پر کئی دعوتیں اور تحریکیں چل رہی ہیں۔ اس پس منظر میں اپنی دعوت کے تشخص کے لئے ہمیں ابتدا ہی سے اپنی دنیوی سعی و جہد کے آخری ہدف کی وضاحت کے لئے حکومت الٰہیہ' یا غلبہء دین' یا اقامتِ دین یا قیامِ نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی اصطلاحیں استعمال کرنی پڑیں!

پھر ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ اس انقلابی دعوت کے پہنچنے کی امید صرف ایسے ملک میں کی جا سکتی ہے جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں ـــــ امریکہ میں تو ہم آٹے میں نمک کی حیثیت رکھتے ہیں! ـــــ واقعہ یہ ہے کہ یہ دلیل بھی عذر لنگ اور معروضی حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ مسلمان اکثریت والے ممالک میں فرقہ پرستی اور سیاسی حوصلہ مندی اور طالع آزمائی دو لعنتیں ایسی ہیں جو صحیح اسلامی دعوت کے پہنچنے میں سدّ سکندری کی طرح حائل ہیں ـــــ اور ان پر مستزاد نفس پرستی اور طلب دنیا کی ہوس! ـــــ اور سب سے بڑھ کر مغرب کی مرعوبیت اور اس کی اندھی نقالی ایسے مہلک امراض ہیں، جبکہ غیر مسلموں کو دعوت دینے میں ان میں سے کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے بشرطیکہ دعوت کے تقاضے پورے کئے جائیں اور اس کی دھن سوار ہو جائے! اور وقت اور قوت اور ذرائع و وسائل کا بیشتر حصہ اس کے لئے وقف کیا جائے!

میرا اٹھارہ برس کی عمر سے (۱۹۵۰ء سے) پختہ موقف یہ ہے کہ بندۂ مومن خواہ کوئی بھی اور کہیں بھی ہو، اس کا اوّلین فرض ہے کہ جس نظام کے تحت رہ رہا ہے اس میں جس حد تک بھی ممکن ہو (خواہ مشکل کتنا ہی ہو) اپنے وجود اور اپنے گھر پر اسلام کو نافذ کر کے عبادتِ ربّ کے تقاضے کو پورا کرے ـــــ پھر اسی دعوت کا پرچارک بن کر کھڑا ہو جائے اور جتنے بھی ساتھی ملیں انہیں ایک جماعتی نظم میں منسلک کر کے قوت کی شکل دے ـــــ اور پھر اگر یہ قوت معتد بہ حد تک فراہم ہو جائے تو نظام باطل کو ختم کر کے دین حق کو قائم کرنے کی کوشش کرے ـــــ اور یہ فرائض ہر مومن پر عائد ہوتے ہیں

خواہ وہ کسی ملک اور سرزمین میں‘ اقلیت کا کیا سوال‘ بالکل تن تنہا ہو! جس کے ضمن میں عظیم ترین مثال خود نبی اکرم ﷺ کی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ معتد بہ حد تک افرادی قوت دستیاب ہوتی ہے یا نہیں تو اس کا دارومدار اللہ کی مشیت اور ماحول کی نوعیت پر ہے! جس کی ممکنہ صورتوں میں سے ایک انتہا پر حضرتِ نوح علیہ السلام ہیں جنہیں ساڑھے نو سو برس میں بھی کوئی response نہیں ملا ـــــ اور دوسری انتہا پر سید المرسلین اور خاتم النبیین ﷺ ہیں جنہیں تھوڑی سی مدت میں مناسب قوت فراہم ہوگئی!

اسی طرح کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضور ﷺ نے بیعت سمع و طاعت اُس وقت لی تھی جب باطل کو چیلنج کرنے یعنی اقدام اور تصادم کا مرحلہ شروع ہونے والا تھا۔ میں بارہا واضح کر چکا ہوں کہ اس سے قبل آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین رسول اور امتی کا جو رشتہ تھا کیا وہ سمع و طاعت کے تقاضے بتمام وکمال پورے نہیں کرتا تھا؟ ـــــ تو آیا اب پہلے مرحلے کے لئے تنظیم کی اساس ہمیں لازماً جدید دنیا کے مروّجہ اساسات ہی میں سے لینی ہوگی یا ہم اس دلیل کے تحت کہ ایک فرض اور واجب و مسنون کام کے لئے ہم کوئی نئی بنیاد کیوں اختیار کریں ـــــ کیوں نہ اسی بیعت کو ذرا stretch کرلیں؟ ـــــ اس ضمن میں میری زندگی کے اہم واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ جب ہم نے تنظیم اسلامی کے لئے بیعت کی اساس اختیار کی اور اس کا کچھ چرچا ہوا تو بعض علماء نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ـــــ اس ضمن میں اس سے قطع نظر کہ مولانا سید حامد میاںؒ نے میری تائید کی اور مخالفوں کو مسکت جواب دیا ـــــ میں مولانا مفتی تقی عثمانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ان سے دریافت کیا کہ ان کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے‘ جس پر انہوں نے پہلے تو بے ساختہ فرمایا کہ: ''یہ بیعت بالکل غلط ہے!'' ـــــ پھر میں نے اپنے سوال کو دو حصوں میں تقسیم کیا کہ ''اولاً یہ فرمایئے کہ کیا موجودہ حالات میں دین کی خدمت اور فروغ کے لئے جماعت بنانا جائز ہے یا نہیں؟'' فوری جواب ملا: ''بالکل جائز ہے!'' اس پر میں نے دوسرا سوال کیا کہ اس جماعت سازی کے لئے کوئی مسنون اساس ہے یا نہیں؟'' تو چونکہ ہمارے علماء بالعموم

اور مفتی حضرات بالخصوص منطق کے بڑے ماہر ہوتے ہیں لہٰذا مفتی عثمانی صاحب نے ایک لحظہ کی تاخیر کے بغیر فرمایا کہ: ''ٹھیک ہے بیعت جائز ہے' لیکن آپ کی نہیں!'' اس پر میں نے پوچھا کہ ''میری کیوں نہیں؟'' تو فرمایا کہ: ''آپ نے کسی سے بیعتِ ارشاد کر کے اپنا تزکیہ نفس نہیں کرایا!'' اس پر میں نے صرف یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لی کہ: ''چلئے ٹھیک ہے ہمارا پچاس فیصد تو اتفاق ہو گیا ہے' بقیہ پر پھر کسی موقع پر گفتگو کریں گے'' ـــــ بعد میں مولانا سید حامد میاںؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: ''جو شرط انہوں نے لگائی ہے وہ بیعت ارشاد کے لئے ہے جبکہ آپ کی بیعت جہاد کے لئے ہے ـــــ اور اس کے ضمن میں نہ صرف یہ کہ یہ شرط عائد نہیں ہوتی بلکہ اس نوع کی بیعت میں افضل مفضول کے ہاتھ پر بیعت کر سکتا ہے!'' یعنی علم' تقویٰ اور تدین میں بہتر اور برتر شخص ان چیزوں میں اپنے سے کمتر کے ہاتھ پر بیعت کر سکتا ہے! اور اس کے ضمن میں مثال یہ بیان فرمائی کہ ''۱۹۳۰ء کے آس پاس قادیانی فتنے کی سرکوبی کے لئے جدوجہد کی غرض سے تنظیمی ڈھانچہ بنانے کے لئے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر سینکڑوں علماء نے بیعت کی تھی جن میں شیخ وقت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الوقت مولانا احمد علی لاہوریؒ بھی شامل تھے!''

اس پر مستزاد ہیں عقلی اور عملی دلائل وشواہد جن کی رو سے کسی ''تحریک'' کے لئے صرف بیعت ہی کی قسم کا نظام جماعت مفید ہوتا ہے' ڈھیلی ڈھالی انجمنیں سماجی' تعلیمی اور اصلاحی کاموں کے لئے' کفایت کرتی ہیں اور چار آنے کی ممبری والی جماعت صرف سیاسی مقاصد کے لئے مفید ہوتی ہے! ـــــ البتہ یہ دوسری بات ہے کہ اس سمع و طاعت فی المعروف کو ڈکٹیٹر شپ یا آٹوکریسی کے ہم معنی نہ لے لیا جائے بلکہ اس میں ''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ'' اور ''أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ'' کی روح کو بتمام وکمال ملحوظ رکھا جائے! ـــــ خود میں نے تنظیم کی ستائیس سالہ امارت کے دور میں صرف ایک بار مجلس شوریٰ کی اکثریت کے خلاف فیصلہ کیا اور وہ بھی جبکہ اکثریت واقلیت میں کل سولہ اور چودہ آراء کا فرق تھا! ـــــ تاہم یہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ 'بیعت سمع وطاعت فی

المعروف'' کی اساس پر قائم جماعت اور جدید جمہوری اور دستوری جماعتوں کے مابین فرق بہت گہرا ہے' اور ان دونوں میں اشخاص و افراد کی نفسیات سے لے کر امارت و قیادت کے نصب و عزل' اور اظہارِ اختلاف کے انداز اور ہدف کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اس کے سلسلے میں میری ایک تحریر اپریل ۱۹۹۶ء کے ''میثاق'' میں شائع ہوئی تھی جسے دوبارہ حال ہی میں شائع کر دیا گیا ہے ــــــ اس کا بنظر غائر مطالعہ نہایت ضروری ہے!

قصہ مختصر یہ کہ یہ ہے میرے دینی فکر کے اس دوسرے رخ کا وہ خلاصہ جو اس وقت بعض نہایت مخلص رفقاء کی نگاہوں میں مدھم پڑ گیا ہے ــــــ تاہم یہ میرے عمر بھر کے غور و فکر کا حاصل بھی ہے اور میں اٹھارہ سال کی عمر سے لے کر اب ستر اکہتر سال کی عمر تک نصف صدی سے زیادہ اس پر عمل پیرا بھی رہا ہوں ــــــ اور جو تنظیم میرے حوالے سے قائم ہوگی وہ اسی اساس پر قائم ہوگی ــــــ اور ان شاء اللہ اسی پر قائم رہے گی! ــــــ گویا بقول اقبال ۔

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے لٹا دے' ٹھکانے لگا دے اسے!

اور اب آیئے ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ'' میں مذکور اعلیٰ علمی سطح پر تخلیقی اور تحقیقی کام کی جانب تو میری رائے ہمیشہ یہ رہی ہے اور اب بھی یہی ہے کہ اسے تحریک کے عمومی دعوتی اور تنظیمی ڈھانچے کے تحت ہونا چاہئے۔ جو ایک جانب اس کام کے لئے اہل اور اس کے لئے کمر کسنے والے رفقاء کو سہولتیں بھی فراہم کرے اور تنظیمی ذمہ داریوں کے اعتبار سے انہیں رعایتیں بھی دے اور دوسری جانب ان کی نگرانی بھی کرے کہ کہیں موجود الوقت حالات کے دباؤ کے باعث کسی غلط رخ پر نہ پڑ جائیں! اس لئے کہ یہ میدان بڑا خارزار اور دشوار گزار ہے اور مغربی یونیورسٹیوں کے موجود الوقت علمی و ثقافتی ماحول کے رعب اور دبدبہ سے بالکل غیر متاثر رہنا آسان کام نہیں ہے! اور اس کے لئے ﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (سورۂ توبہ) کے حکم پر عمل اور ع ''پیوستہ رہ شجر سے امید

بہار رکھ!'' کے سے انداز میں تحریکِ اسلامی کے مین شجر سے وابستہ رہنا بہت ضروری ہے۔ اس لئے کہ مغربی اکیڈیمیا کے ماحول کے خارجی اثرات پر مستزاد خود انسانی نفسیات کے داخلی عوامل کے زیر اثر بسا اوقات کسی شخص کے ذہن میں کوئی نیا خیال آ جاتا ہے اور وہ اسے ''دلیہ بہ گندہ بروزہ گندہ' و لے ایجاد بندہ!'' کے سے انداز میں سینے سے لگالیتا ہے اور پروان چڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کی پوری سوچ پر آ کاس بیل کی طرح چھا جاتا ہے اور پودے یا درخت کی توانائی کو چٹ کر جاتا ہے ــــــ ماضی میں اس کی مثالیں بہت سی رہی ہیں اور خصوصاً مک گل یونیورسٹی آف مانٹریال ہمارے بہت سے ذہین وفطین لوگوں کو غلط رخ پر ڈالنے میں کامیاب رہی ہے ــــــ! اس تلخ حقیقت کے پیش نظر عافیت اسی میں ہے کہ اعلیٰ علمی سطح پر تخلیقی اور تحقیقی کام کے اتھاہ سمندر میں چھلانگ لگاتے وقت کمر کے ساتھ کوئی تنظیمی ڈور بندھی ہوئی ہو یا یوں کہیے کہ اعلیٰ علمی کام کرنے والوں کے لئے محفوظ تر راستہ یہی ہے کہ وہ کسی تنظیمی اور جماعتی سلسلہ کے حصار یا ''حِصن'' میں قلعہ بند ہوں۔

پھر یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ اس اعلیٰ علمی کام کے مخاطب اگرچہ اعلیٰ علمی طبقات ہی ہوتے ہیں تاہم تاریخ شاہد ہے کہ ان میں سے شاذ ہی کوئی شخص اس کی بنا پر اپنی روش کو تبدیل کر کے راہ حق کی جانب آتا ہے' اس علمی کام کی اصل افادیت بالواسطہ ہوتی ہے ــــــ یعنی یہ کہ موجود الوقت افکار ونظریات پر زوردار ضربیں لگا کر ان کے رعب اور دبدبے کو ختم کر دیں تا کہ خلق خدا کے ذہین عناصر کے ذہنوں پر غلط افکار کے تانے بانے سے مرعوبیت نے جو حجاب طاری کر دیا ہوتا ہے وہ ختم یا کمزور ہو جائے ــــــ تا کہ پھر قرآن کی دعوت آسانی کے ساتھ ان کے ذہنوں سے گزر کر قلوب تک رسائی حاصل کر سکے! ــــــ باقی اصل ہدایت تو لامحالہ قرآن حکیم ہی سے آئے گی بمصداق فرمان نبوی ﷺ ''وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى مِنْ غَيْرِهٖ (مِنْ غَيْرِ الْقُرْآنِ) اَضَلَّهُ اللّٰهُ'' یعنی جو شخص بھی قرآن حکیم کے سوائے کسی اور ذریعے سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے لازماً گمراہ کر دے گا!

ویسے میرے نزدیک اسلام کی حقیقی دعوت کے لئے امریکہ میں حالات جتنے اس وقت سازگار ہیں اس سے قبل کبھی نہیں تھے۔ ضرورت صرف اصحاب ہمت اور اربابِ عزیمت کی ہے۔ ورنہ کیفیت واقعی وہی ہے جس کا نقشہ اقبال نے اس شعر میں کھینچا ہے کہ ؎ ''موسم اچھا' پانی وافر' مٹی بھی زرخیز۔ جس نے پھر بھی کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان!'' ـــــ اس لئے کہ اوّلاً۔ وہاں کے مسلمان امیگرنٹس جو پہلے امریکہ کی جنت ارضی میں اپنے آپ کو بہت محفوظ اور secure محسوس کرتے تھے اب بری طرح متزلزل ہو گئے ہیں۔ اور اب جو فضا وہاں قائم ہو گئی ہے اس میں غیر قانونی طور پر مقیم لوگوں کے لئے تو وہاں سے ''فرار'' کے سوا کوئی چارہ کار ہے ہی نہیں۔ چنانچہ واپسی کا سیلاب شروع ہو چکا ہے اور اس کا سب سے بڑا مقیاس یہ ہے کہ پاکستان میں Real estate کی قیمتیں ایک دم بڑھ گئی ہیں ـــــ البتہ قانونی طور پر مقیم لوگوں کو عام طور پر بھی وہاں سے بھاگنا نہیں چاہئے۔ اور اس ضمن میں اس فرمان نبویؐ پر قیاس کی ضرورت ہے جس کی رو سے کسی مقام پر وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے نقل مکانی درست نہیں ہے ـــــ البتہ جو لوگ وہاں ''دعوتِ دین'' کے لئے کمر کس کر مقیم رہیں وہ تو بہت ہی تہنیت اور مبارکباد کے مستحق ہیں! ـــــ (یا پھر وہ لوگ تہنیت اور مبارک باد کے مستحق ہوں گے جو پاکستان اس عزم کے ساتھ واپس آئیں کہ تن من دھن یہاں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے وقف کر دیں گے!)

اس ضمن میں خاص طور پر عرب ممالک سے آمدہ امیگرنٹس سے بڑے پیمانے پر رابطے کی ضرورت ہے۔ میں نے ۱۹۸۰ء میں جو تقریر اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے کنونشن منعقدہ نیاگرا میں کی تھی جس میں ''پندرہویں صدی ہجری: توقعات اور اندیشے'' کے سلسلے میں کہا تھا کہ امت مسلمہ پر ابھی عذاب الٰہی کے مزید اور شدید تر کوڑے برسنے والے ہیں جن میں سب سے بڑا حصہ اُمت عرب کو ملے گا'' ـــــ وہ حالات اب سب کے سامنے ہیں۔ (چند سال قبل میں نے یہی بات سانتا کلارا میں جمعہ کے بڑے اجتماع سے خطاب کے دوران کہی تو وہاں کے عرب بھائی بہت ناراض

ہوئے تھے' لیکن اب حال ہی میں وہاں کے ایک رفیقِ تنظیم پاکستان آئے تو انہوں نے بتایا کہ اب وہی حضرات تسلیم کر رہے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے درست کہا تھا!)

امریکہ میں دعوت دین واقعتہً دعوتِ ''دین'' ہونی چاہئے۔ اور اس سے میری مراد یہ ہے کہ دین کہتے ہیں نظام کو ـــــ لہٰذا زیادہ زور اسلام کے نظام عدل اجتماعی پر ہونا چاہئے۔ جس کے ضمن میں خاص طور پر Multi-nationals اور Globalisation کے خلاف شدید ردعمل خود وہاں موجود ہے ـــــ! دوسری جانب حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت کے ضمن میں قرآن حکیم کے بیانات اور احادیث نبویہ میں وارد شدہ نزول مسیح (یعنی Second Coming of Jesus) کی اشاعت بڑے پیمانے پر ہونی چاہئے ـــــ اور میرا کتابچہ "To Christians with Love!" بھی شائع کیا جانا چاہئے!

اس کے علاوہ آج سے آٹھ دس سال قبل واشنگٹن ایریا کے ایک اچھے بڑے اجتماع میں اپنے خطاب کے اختتام پر جو motto یا slogan میں نے دیا تھا اب اس کو عام کرنے کی ضرورت ہے یعنی:

"YES! WE ARE FUNDAMENTALISTS, BUT NOT TERRORISTS"

اور اس کی بھی شدید ضرورت ہے کہ اسامہ ابن لادن اور کسی واقعی یا موہومہ تنظیم القاعدہ سے اظہارِ براءت کیا جائے ـــــ اس کے ضمن میں یاد ہوگا کہ عالم اسلام کی تحریکوں میں بھی جب مسلح مزاحمت اور تشدد اور توڑ پھوڑ یا قتل و غارت کے رجحانات پیدا ہوئے ـــــ اور بعض جگہوں پر ballot کا راستہ رک جانے پر bullet کا راستہ اپنایا گیا تو اسے میں نے ہمیشہ غلط بلکہ مُضر اور counter-productive قرار دیا ـــــ اب اس نقطۂ نظر کی زیادہ اشاعت کی ضرورت ہے!

اور اگر وہاں اس دعوتِ دین کے ضمن میں سختیاں یا قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں تو انہیں خوش دلی کے ساتھ خوش آمدید کہنا چاہئے ـــــ کہ ﴿هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ (الاحزاب) ـــــ کیا عجب کہ اس سلسلے میں تفتیش (interrogation) کو بھی اللہ تعالیٰ وہاں ہمارے فکر کی اشاعت اور مقتدر حلقوں تک پہنچنے کا ذریعہ بنا دے!

مسلمان کا طرزِ حیات (۲۷)

علامہ ابو بکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب الآداب

چھٹا باب

مخلوق سے تعلق کے آداب

۸۔ کافر سے متعلق آداب

مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اسلام کے علاوہ باقی تمام مذاہب غلط ہیں' اور ان ادیان و مذاہب پر عمل کرنے والے لوگ کافر ہیں' صرف اسلام ہی سچا دین ہے اور اسے ماننے والے ہی مسلم اور مؤمن کہلانے کے حق دار ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ (آل عمران : ۱۹)

"اللہ تعالیٰ کے ہاں (مقبول) دین صرف اسلام ہے۔"

دوسرے مقام پر ارشاد ہے :

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ ﴾ (آل عمران : ۸۵)

"اور اس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں ناکام و نامراد رہے گا۔"

ایک اور مقام پر فرمایا :

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ

الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ ﴾ (المائدۃ : ۳)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا' اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی' اور تمہارے لیے بطور دین اسلام کو پسند کر لیا۔"

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سچی خبروں سے ایک مسلمان کو علم ہو جاتا ہے کہ اسلام سے پہلے آنے والے سب دین اسلام کے آنے سے منسوخ ہو گئے۔ اب اسلام ہی تمام انسانیت کا دین ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کسی انسان سے دوسرے دین کو قبول نہیں کرے گا اور نہ کسی اور شریعت (پر عمل کرنے) سے اس کی رضا حاصل ہو گی۔ اسی وجہ سے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص دین اسلام کے مطابق اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل نہیں کرتا' وہ کافر ہے۔ ایسے شخص کے متعلق ہمیں مندرجہ ذیل آداب پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔

① اس کے کفر پر راضی نہ ہوں بلکہ اسے کفر سے نکال کر اسلام کی طرف لانے کی کوشش کریں۔ کیونکہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔

② چونکہ اللہ تعالیٰ کافر سے بغض رکھتا ہے لہٰذا ہمیں بھی اس سے نفرت رکھنی چاہیئے۔ "اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ" کا یہی تقاضا ہے۔

③ اس سے دوستی اور محبت نہ رکھیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ ﴾

(آل عمران : ۲۸)

"مؤمنوں کو نہیں چاہیئے کہ مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنالیں۔"

نیز ارشادِ خداوندی ہے :

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ ﴾

(المجادلۃ : ۲۲)

"آپ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو نہیں پائیں گے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے مخالفوں سے محبت رکھتے ہوں' اگرچہ وہ (مخالفین) ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔"

④ اس سے عدل و انصاف کا برتاؤ کریں۔ اور اگر وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں

مشغول نہیں ہے تو اس سے نیکی اور حسن سلوک سے پیش آئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ ﴾ (المُمتحنة : ۸)

"جنہوں نے تم سے دین کی بنیاد پر جنگ نہیں کی' اور تمہیں گھروں سے نہیں نکالا' اللہ تعالیٰ تمہیں ان سے نیکی کرنے اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

اس واضح آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کافروں سے عدل و انصاف اور احسان کا رویہ رکھنا درست ہے۔ اس حکم سے صرف وہ کافر باہر رہتے ہیں جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں۔ ان سے سلوک کا ایک دوسرا انداز ہے جس کی وضاحت محاربین کے احکام میں آئے گی۔

⑤ اس پر رحم کریں جس طرح کوئی بھی انسان اور حیوان رحم کا مستحق ہوتا ہے۔ مثلاً اگر وہ بھوکا ہو تو اسے کھانا کھلایا جائے' پیاسا ہو تو پانی پلایا جائے' بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کیا جائے' اس کی جان بچائی جائے' اسے ناحق تکلیف نہ دی جائے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِرْحَمْ مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكَ مَنْ فِي السَّمَاءِ)) (۱۳۱)

"زمین والوں پر رحم کرو' آسمان والا تم پر رحم کرے گا"۔

اور فرمایا:

((فِيْ كُلِّ ذِيْ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ)) (۱۳۲)

"ہر تر جگر رکھنے والے (یعنی زندہ انسان یا حیوان) کی وجہ سے اجر ملتا ہے"۔

⑥ اگر وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے والی قوم کا فرد نہیں تو اسے اُس کی جان' مال یا آبرو کے سلسلے میں ایذا نہ دی جائے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى : يَا عِبَادِيْ اِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ' وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا)) (۱۳۳)

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام قرار دے لیا ہے' اور تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام قرار دیا ہے' لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو"۔

اور فرمایا:

((مَنْ آذٰی ذِمِّیًّا فَاَنَا خَصْمُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ)) (۱۳۴)

"جس نے کسی ذمی کو تکلیف دی' قیامت کے دن میں اُس کے خلاف مدعی ہوں گا"۔

⑦ اسے تحفہ دینا' اس کا تحفہ قبول کرنا اور اس کے ہاں سے کھانا کھالینا درست ہے بشرطیکہ وہ اہل کتاب میں سے یعنی یہودی یا عیسائی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ﴾ (المائدۃ: ۵)

"جنہیں کتاب دی گئی ہے ان لوگوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔"

اور صحیح احادیث میں مذکور ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کے یہودی کھانے کی دعوت دیتے تھے تو آنحضور ﷺ ان کی دعوت قبول کرتے اور ان کا پیش کیا ہوا کھانا تناول فرمالیتے تھے۔

⑧ غیر مسلم مَرد سے مؤمن عورت کا نکاح نہ کیا جائے' البتہ اہل کتاب غیر مسلم عورتوں سے مسلمان مَرد نکاح کر سکتا ہے۔ مؤمن عورت کا نکاح ہر قسم کے غیر مسلم مَرد سے ممنوع ہونے کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ﴾ (المُمتحنة: ۱۰)

"نہ وہ (مسلمان) عورتیں اُن مَردوں کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ مَرد ان عورتوں کے لیے حلال ہیں۔"

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ﴾ (البقرۃ: ۲۲۱)

"مشرک مَردوں کو رشتہ نہ دو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔"

مسلمان مَرد کے لیے اہل کتاب سے نکاح جائز ہونے کی دلیل یہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ ... وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

أُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلاَ مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ﴾

(المائدۃ : ۵)

"اور پاک دامن عورتیں اُن لوگوں میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی (وہ بھی تمہارے لیے حلال ہیں) جب تم انہیں ان کا حق مہر ادا کردو اور تمہارا مقصد انہیں نکاح میں لانا ہو نہ کہ بدکاری کرنا' اور نہ تم خفیہ تعلقات قائم کر رہے ہو۔"

⑨ جب کوئی غیر مسلم چھینک لے اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہے تو اسے "یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَ یُصْلِحُ بَالَکُمْ" کہا جائے۔ یہود آنحضرت ﷺ کی مجلس میں چھینکیں لیتے تھے اور امید کرتے تھے کہ آنحضور ﷺ انہیں کہیں "یَرْحَمُکُمُ اللّٰہُ" (اللہ تم پر رحمت فرمائے) لیکن آنحضور ﷺ یوں کہتے تھے : "یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ" (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت سنوارے)۔(۱۳۵)

⑩ غیر مسلم کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے۔ اگر وہ سلام کرے تو جواب میں "وَعَلَیْکُمْ" کہا جائے۔ کیونکہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے :

((اِذَا سَلَّمَ عَلَیْکُمْ اَھْلُ الْکِتَابِ فَقُوْلُوْا وَعَلَیْکُمْ))(۱۳۶)

"جب اہل کتاب تمہیں سلام کہیں تو تم کہا کرو "وَعَلَیْکُمْ"۔

⑪ راستہ چلتے ہوئے مسلمان کھلی جگہ پر چلے اور غیر مسلم کو تنگ جگہ میں چلنے دے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے :

((لاَ تَبْدَءُوا الْیَھُوْدَ وَلاَ النَّصَارٰی بِالسَّلاَمِ' فَاِذَا لَقِیْتُمْ اَحَدَھُمْ فِیْ طَرِیْقٍ فَاضْطَرُّوْہُ اِلٰی اَضْیَقِہٖ))(۱۳۷)

"یہود و نصاریٰ کو سلام میں پہل نہ کرو۔ اگر تم راستے میں ان کے کسی فرد سے ملو تو اسے تنگ جانب چلنے پر مجبور کرو"۔

⑫ جو کام ضروری نہیں ان میں غیر مسلموں سے امتیاز رکھے اور ان کی مشابہت اختیار نہ کرے۔ مثلاً اگر وہ ڈاڑھی نہیں رکھتے تو ہمیں رکھنی چاہیے(۱۳۸) اور اگر وہ سفید بالوں کو رنگتے نہیں تو ہمیں بالوں کا رنگ تبدیل کرنا چاہیے۔ اسی طرح ٹوپی اور عمامہ اور دیگر لباس میں ہمیں ان سے امتیاز قائم رکھنا چاہیے۔ کیونکہ فرمانِ نبوی ہے :

((مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ))(۱۳۹)

"جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں سے ہو گا"۔

نیز فرمایا:

((خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ اَعْفُوا اللُّحَى وَقُصُّوا الشَّوَارِبَ)) (۱۴۰)

"مشرکین کی مخالفت کرو' ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کاٹو"۔

اور فرمایا:

((اِنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى لَا يَصْبَغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ)) (۱۴۱)

"یہود و نصاریٰ بال نہیں رنگتے' تم ان کی مخالفت کرو"۔

یعنی سر اور داڑھی کے بالوں کے لیے زرد یا سرخ رنگ کا خضاب (یا مہندی وغیرہ) استعمال کرو۔ سیاہ خضاب سے جنابِ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

((غَيِّرُوْا هٰذَا — الشَّعْرَ الْاَبْيَضَ — وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ)) (۱۴۲)

"ان (سفید بالوں کے رنگ) کو تبدیل کر دو' اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو"۔

۹۔ حیوانات سے متعلق آداب

مسلمان اکثر حیوانات کو قابلِ احترام مخلوق سمجھتا ہے' اس لیے ان سے رحمت و شفقت کا سلوک کرتا ہے اور ان کے متعلق مندرجہ ذیل آداب کا خیال رکھتا ہے:

① جب جانور کو بھوک یا پیاس لگے تو اسے خوراک اور پانی مہیا کیا جائے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ حَرَّاءَ اَجْرٌ)) (۱۴۳)

"ہر اُس مخلوق (سے نیکی کرنے) میں ثواب ہے جس کا جگر گرمی محسوس کرتا ہے"۔

نیز فرمایا:

((مَنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ)) (۱۴۴)

"جو رحم نہیں کرتا' اس پر رحم نہیں کیا جاتا"۔

اور فرمایا:

((اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ)) (۱۴۵)

"زمین والوں پر رحم کرو' آسمان والا تم پر رحم کرے گا"۔

② اس پر رحم کیا جائے اور شفقت کی جائے۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے چند افراد کو دیکھا کہ ایک پرندے کو نشانہ بنا کر تیر اندازی کی مشق کر رہے ہیں۔ تو فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰهُ مَنِ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيْهِ رُوْحٌ غَرَضًا)) (۱۴۶)

"اللہ کی لعنت ہو اُس شخص پر جو کسی جاندار کو نشانہ بازی کا ہدف بنائے"۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (۱۴۷) ایک بار ایک صحابی نے کسی پرندے کے بچے گھونسلے سے اٹھا لیے۔ بچوں کی ماں بچوں کے لیے منڈلانے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھا تو فرمایا:

((مَنْ فَجَعَ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوْا عَلَيْهَا وَلَدَهَا اِلَيْهَا)) (۱۴۸)

"اسے کس نے اس کے بچوں کے بارے میں تکلیف پہنچائی ہے؟ اس کے بچے اُسے واپس کر دو"۔

③ جب کسی جانور کو قتل کرنا ہو یا ذبح کرنا ہو تو اسے کم سے کم تکلیف پہنچا کر قتل یا ذبح کیا جائے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذَّبْحَ ' وَلْيُرِحْ اَحَدُكُمْ ذَبِيْحَتَهٗ وَلْيُحِدَّ شَفْرَتَهٗ)) (۱۴۹)

"اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا (تم پر) فرض کیا ہے' تو جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب (جانور) ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ آدمی کو چاہیے کہ ذبح ہونے والے جانور کو راحت پہنچائے اور اپنی چھری تیز کرے"۔

④ جانور کو کسی طرح بھی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ مثلاً اسے بھوکا نہ رکھا جائے' مار پیٹ نہ کی جائے' اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادا جائے' اس کی شکل نہ بگاڑی جائے' اسے آگ میں نہ جلایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((دَخَلَتِ امْرَاَةٌ النَّارَ فِيْ هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ فَدَخَلَتْ فِيْهَا النَّارَ' فَلَا هِيَ اَطْعَمَتْهَا وَسَقَتْهَا اِذْ حَبَسَتْهَا' وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَاْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ)) (۱۵۰)

"ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے (جہنم کی) آگ میں داخل ہو گئی۔ اس نے بلی کو باندھ دیا حتیٰ کہ وہ مرگئی۔ اس کی وجہ سے وہ عورت جہنم میں داخل ہو گئی۔ نہ تو اس نے اس (بلی) کو خود کھلایا پلایا جب کہ اس نے اسے باندھا تھا (تو چاہیئے تھا کہ اس کی خوراک اور پانی کا بندوبست کرتی) اور نہ اسے چھوڑا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی"۔

ایک بار آنحضرت ﷺ چیونٹیوں کی بستی کے پاس سے گزرے، کسی نے اسے جلادیا تھا، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:

((اِنَّهُ لاَ يَنْبَغِيْ اَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلاَّ رَبُّ النَّارِ))(۱۵۱)

"آگ کے مالک (اللہ) کے سوا کسی کے لیے مناسب نہیں کہ آگ سے عذاب دے"۔

⑤ تکلیف دینے والے جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے۔ مثلاً کاٹنے والا کتا، بھیڑیا، سانپ، بچھو، چوہا وغیرہ۔ جنابِ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((خَمْسٌ فَوَاسِقُ تُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ: اَلْحَيَّةُ وَالْغُرَابُ الْاَبْقَعُ وَالْفَارَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ وَالْحُدَيَّا))(۱۵۲)

"پانچ جانور فاسق ہیں، انہیں حرم سے باہر بھی قتل کیا جائے اور حرم میں بھی: سانپ، سیاہ و سفید کوا، چوہا، کاٹنے والا کتا اور چیل"۔

آنحضرت ﷺ سے بچھو کو مارنا اور لعنت کرنا بھی صحیح سند سے مروی ہے۔

⑥ ضرورت و مصلحت کے تحت جانوروں کے کانوں پر داغ دے کر نشان لگایا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے مبارک ہاتھ سے صدقہ کے اونٹوں پر اس طرح نشان لگایا تھا۔(۱۵۳) البتہ مویشیوں ـــــ اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری ـــــ کے علاوہ کسی اور جانور کو داغ نہیں دینا چاہیئے۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ کی نظر ایک گدھے پر پڑی جسے چہرے پر داغ دیا گیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ وَسَمَ هٰذَا فِيْ وَجْهِهٖ))(۱۵۴)

"اللہ لعنت کرے اُس شخص پر جس نے اس کے چہرے پر داغ دیا ہے"۔

⑦ ان کے بارے میں اللہ کے حق کو فراموش نہ کیا جائے۔ یعنی جب ان کی تعداد

اس قدر ہو جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے تو زکوٰۃ ادا کرے۔

⑧ ان کی دیکھ بھال اور ان کے ساتھ دل بہلانے میں اس قدر مشغول نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے احکام کی تعمیل میں کوتاہی ہونے لگے' اور اللہ کی یاد سے غافل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ﴾

(المُنافقون : ۹)

"اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں۔"

گھوڑوں کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَلْخَيْلُ ثَلَاثَةٌ: هُنَّ لِرَجُلٍ اَجْرٌ وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ وَعَلٰى رَجُلٍ وِزْرٌ' فَاَمَّا الَّذِيْ هِيَ لَهُ اَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاَطَالَ طِيَلَهَا فِيْ مَرْجٍ اَوْ رَوْضَةٍ' فَمَا اَصَابَتْ فِيْ طِيَلِهَا ذٰلِكَ مِنَ الْمَرْجِ اَوِ الرَّوْضَةِ كَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٍ' وَلَوْ اَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا اَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ آثَارُهَا وَاَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ' وَهُوَ لِذٰلِكَ الرَّجُلِ اَجْرٌ' وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَعَفُّفًا وَلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ فِيْ رِقَابِهَا وَلَا ظُهُوْرِهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ' وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَنِوَاءً فَهِيَ عَلَيْهِ وِزْرٌ)) (۱۵۵)

"گھوڑے تین طرح کے ہوتے ہیں: وہ ایک آدمی کے لیے اجر و ثواب (کا باعث) ہیں' ایک آدمی کے لیے وہ (آبرو قائم رکھنے کا) پردہ ہیں اور ایک آدمی کے لیے (گناہ کا) بوجھ ہیں۔ جس کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہیں وہ تو ایسا شخص ہے جس نے گھوڑا اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) باندھا اور چراگاہ یا باغ میں اس کی رسی ڈھیلی چھوڑ کر اسے باندھا۔ وہ اس رسی سے بندھا ہوا چراگاہ یا باغ میں جو کچھ بھی کھائے وہ اس (کے مالک) کے لیے نیکیاں ہی نیکیاں ہیں۔ اور اگر وہ اپنی رسی تڑوا کر ایک دو چھلانگیں لگالے (اور بھاگ جائے) تو اس کے قدموں کے نشانات اور اس کی لید بھی (مالک کے لیے) نیکیوں کا باعث ہے۔ یہ گھوڑا اس شخص کے لیے ثواب کا باعث ہے۔ اور جس شخص نے اس لیے گھوڑا

رکھا کہ وہ دوسروں کا محتاج نہ ہو اور سوال سے بچ کر رہے' اور اس کی گردن اور پیٹھ میں جو اللہ کا حق ہے' اسے فراموش نہیں کیا تو یہ اس کے لیے پردہ ہے۔ اور جس نے فخر اور دکھلاوے کے لیے اور مسلمانوں سے دشمنی کے لیے گھوڑے باندھے وہ اس کے لیے (گناہ کا) بوجھ ہیں"۔

یہ وہ چند آداب ہیں جن کو حیوانات کے متعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اور شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہونے کے لیے ایک مسلمان پیش نظر رکھتا ہے۔ اور شریعت اسلامیہ تو ہے ہی رحمت کی شریعت' اور بھلائی کی شریعت' جس کی رحمت کے دائرہ سے نہ کوئی انسان باہر ہے نہ حیوان۔

حواشی

(۱۳۱) جامع الترمذی' کتاب البر' باب ما جاء فی رحمة المسلمین (نحوہ)

(۱۳۲) صحیح البخاری' کتاب المساقاة' باب فضل سقی الماء۔ وصحیح مسلم' کتاب السلام' باب فضل ساقی البهائم المحترمة واطعامها۔

(۱۳۳) صحیح مسلم' کتاب البر' باب تحریم الظلم۔

(۱۳۴) خطیب۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

(۱۳۵) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب کیف یشمت الذمی۔ وجامع الترمذی' کتاب الادب' باب ما جاء کیف تشمیت العاطس۔

(۱۳۶) صحیح البخاری' کتاب الاستیذان' باب کیف الرد علی اهل ذمة السلام۔ وصحیح مسلم' کتاب السلام' باب النهی عن ابتداء اهل الکتاب بالسلام وکیف یرد علیهم۔

(۱۳۷) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب السلام علی اهل الذمة۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(۱۳۸) داڑھی رکھنا اور بڑھانا مستقل شرعی حکم ہے۔ اگر وہ داڑھی رکھنا شروع کر دیں تو ہمارے لئے حکم تبدیل نہیں ہو جائے گا۔ (مترجم)

(۱۳۹) سنن ابی داؤد' کتاب اللباس' باب فی لبس الشهرة۔

(۱۴۰) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب تقلیم الاظفار (نحوہ)۔ وصحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب خصال الفطرة (نحوہ)

(۱۴۱) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب الخضاب۔ وصحیح مسلم' کتاب اللباس' باب استحباب خضاب الشیب بصفرة وحمرة وتحریمه بالسواد۔

(۱۴۲) صحیح مسلم' کتاب اللباس' باب استحباب خضاب الشیب بصفرة و حمرة و تحریمه بالسواد۔

(۱۴۳) سنن ابن ماجه' کتاب الادب' باب فضل صدقة الماء۔

(۱۴۴) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب رحمة الولد و تقبیله و معانقته۔ و صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب رحمته (ﷺ) الصبیان و العیال و تواضعه و فضل ذلک۔

(۱۴۵) جامع الترمذی' کتاب البر و الصلة' باب ما جاء فی رحمة المسلمین۔

(۱۴۶) صحیح البخاری' کتاب الذبائح' باب ما یکره من المثلة و المصبورة و المجثمة۔ و صحیح مسلم' کتاب الصید' باب النهی عن صبر البهائم۔

(۱۴۷) صحیح مسلم' کتاب الصید' باب النهی عن صبر البهائم

(۱۴۸) سنن ابی داؤد' کتاب الجهاد' باب فی کراهیة حرق العدو بالنار۔ **اس کی سند صحیح ہے۔**

(۱۴۹) صحیح مسلم' کتاب الصید' باب الامر باحسان الذبح و القتل و تحدید الشفرة۔

(۱۵۰) صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق' باب خمس من الدواب یقتلن فی الحرم۔ و صحیح مسلم' کتاب التوبة' باب سعة رحمة اللّٰه تعالٰی و انها تغلب غضبه۔

(۱۵۱) سنن ابی داؤد' کتاب الجهاد' باب کراهیة حرق العدو بالنار۔ **اس کی سند صحیح ہے۔**

(۱۵۲) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب ما یندب للمحرم و غیره قتله من الدواب فی الحل و الحرم۔

(۱۵۳) صحیح مسلم' کتاب اللباس و الزینة' باب جواز وسم الحیوان غیر الادمی فی غیر الوجه۔

(۱۵۴) صحیح مسلم' کتاب اللباس و الزینة' باب النهی عن ضرب الحیوان فی وجهه و وسمه۔

(۱۵۵) صحیح البخاری' کتاب الجهاد' باب الخیل ثلاثة۔ و صحیح مسلم' کتاب الزکاة' باب اثم مانع الزکاة۔ **مذکورہ بالا الفاظ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ہیں۔**

❁ ❁ ❁

تذکیر و موعظت

تباہی کے اس دور میں
مسلمانانِ عالم کیا کریں؟

ایک سوال جس کا جواب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے تحریر فرمایا

یہ صحیح ہے کہ مسلمان ہر نوع سے پریشان ہیں۔ انفرادی مشکلات میں مستقل گھرے ہوئے ہیں اور اجتماعی تفکرات علیحدہ دامن گیر ہیں۔ لیکن یہ سوال کہ ان کو کیا کرنا چاہئے' ایک عام سمجھ دار مسلمان کے قلم سے بھی موجب تعجب ہے' چہ جائیکہ کسی ذی علم کے قلم سے۔ اسلام وہ مذہب ہے جس کے متعلق اللہ جل شانہٗ نے اپنے کلام پاک میں تکمیل کا اعلان فرمایا ہے اور اس پر احسان اور نعمت کے پورا کر دینے کا تمغہ عطا فرمایا ہے۔ اور کن پیارے الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ﴾ (المائدہ:۳)

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور (اس تکمیل سے) تم پر اپنا انعام پورا کر دیا' اور میں اس بات سے خوش ہوں (اور اس کو پسند کرتا ہوں) کہ تمہارا دین (اور مذہب) اسلام ہو۔''

یعنی مذہب اسلام تمہارے لئے مجھے پسندیدہ ہے اور یہی تمہارا مذہب ہے۔ کیا ہی مبارک تمغہ ہے' کتنا مسرور بنا دینے والا امتیاز ہے۔ ایسے مکمل دین کے دعوے دار' ایسے کامل مذہب کے پیرو اِس میں پریشان ہوں کہ مسلمان کیا کریں۔ اللہ پاک نے اور اس کے سچے رسول ﷺ نے دین کی یا دنیا کی کوئی بھی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی ضرورت اور کوئی بات ایسی باقی نہیں چھوڑی جس کے متعلق صاف اور کھلے ہوئے الفاظ میں احکام نہ بیان فرمائے ہوں' ان کے منافع اور نقصانات نہ بتا دیئے ہوں۔ اور پھر سب کچھ صرف زبانی تلقین اور کتابی تعلیم نہیں ہے' بلکہ اللہ کے سچے رسول

اور رسول کی فریفتہ جماعت نے ان سب کو عملی جامہ پہنا کران پر عمل کر کے اس کا تجربہ بھی کرادیا ہے۔ الغرض دین و دنیا کی بہبود بھی رسول کے اتباع ہی میں مضمر و منحصر ہے۔ مگر جب ہم لوگ رسول کے اتباع کو دقیانوسیت اور سنتوں پر مر مٹنے کو تنگ نظری سمجھیں تو آخرت کا جو حشر ہونے والا ہے وہ ظاہر ہے اور دنیا کا جو ہو رہا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک ایک حرکت و سکون صحابہ کرام اور محدثین عظام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طفیل آج کتابوں میں زندہ ہے۔ ایک طرف اس کو سامنے رکھو' دوسری طرف اُمت کے حالات کو سامنے رکھو' حضور ﷺ کی ایک ایک سنت دیدہ دانستہ دلیری اور جرأت سے چھوڑی جارہی ہے' اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کا مقابلہ کیا جارہا ہے' اس کی طرف متوجہ کرنے والوں کو احمق اور دین کا ناسمجھ بتایا جارہا ہے' کیا اس ظلم عظیم کی کوئی حد ہے؟ اور ایسی صورت میں مسلمانوں کو پریشانی کی شکایت کرنے کا کیا مُنہ ہے اور تقریروں میں اس کا شور مچانے کا کیا حق ہے کہ مسلمان تباہ ہوگئے۔

آنچہ بر ماست از ماست
خود کردہ را علاجے نیست

اللہ جل جلالہٗ نے صاف اور کھلے ہوئے الفاظ میں ارشاد فرمادیا:

﴿وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيرٍ ۞ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۞﴾ (الشوریٰ: ۳۰۔۳۱)

''اور جو کچھ مصیبت تم کو (حقیقتاً) پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کی بدولت پہنچتی ہے' (اور ہر گناہ پر نہیں پہنچتی بلکہ) بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔ اور (اگر وہ ہر گناہ پر دنیا میں پکڑ کرنے لگیں تو) تم زمین میں (کسی جگہ بھی پناہ لے کر) اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حامی اور مددگار نہیں۔''

دوسری جگہ ارشادِ پاک ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (الروم: ٤١)

''بر و بحر (یعنی خشکی اور تری غرض ساری دنیا) میں لوگوں کے اعمال کی بدولت فساد پھیل رہا ہے (اور بلائیں، قحط، زلزلے وغیرہ نازل ہو رہے ہیں) تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کی سزا کا مزہ ان کو چکھا دے شاید کہ وہ (اپنے ان اعمال سے) باز آجائیں۔''

اس قسم کے مضامین کلام پاک میں دو چار جگہ نہیں، سینکڑوں جگہ وارد ہیں۔ پہلی آیت کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر تجھے بتاتا ہوں۔ اے علی! جو کچھ بھی تجھے پہنچے، مرض ہو یا کسی قسم کا عذاب ہو یا دنیا کی کوئی بھی مصیبت ہو، وہ اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کسی لکڑی کی خراش یا کسی رگ کا حرکت کرنا، یا قدم کی لغزش (ٹھوکر کھا جانا) یا پتھر کہیں سے آ کر لگ جانا، جو کچھ بھی ہوتا ہے کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔''

حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''کسی بندے کو کوئی زخم یا اس سے بھی کم درجہ کی کوئی چیز جو پہنچتی ہے وہ کسی اپنی ہی کی ہوئی حرکت سے پہنچتی ہے''۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بدن میں کوئی تکلیف تھی، لوگ عیادت کے لئے آئے اور افسوس کرنے لگے۔ فرمایا: افسوس کی کیا بات ہے؟ کسی گناہ کی وجہ سے یہ بات ہوئی ہے۔

حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن پاک پڑھ کر بھول جاتا ہے وہ کسی گناہ کی بدولت ہوتا ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمانے لگے کہ قرآن شریف کو بھول جانے سے بڑھ کر مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کے سر میں درد ہوا تو سر پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگیں کہ میرے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ (درمنثور، ابن کثیر)

نہی عن المنکر کا ترک‘ عذاب وتباہی کا ایک اہم سبب

اگر چہ بعض اوقات مصائب اور حوادث کے اسباب کچھ اور بھی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور معصوم بچوں کو بھی ابتلا ہوتا ہے‘ جو اپنے مواقع پر مذکور ہیں۔ مجھے اس جگہ ان آیات واحادیث کی شرح کرنا مقصود نہیں ہے کہ جملہ احتمالات اور اشکالات کا ذکر کروں۔ میرا مقصود صرف یہ ہے کہ ان آیات واحادیث میں ایک ضابطہ ارشاد فرمایا گیا ہے اور ان حوادث اور آفات کا ایک خاص سبب بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ سبب اس قدر قوی ہے کہ اس کے زہریلے اثرات میں بسا اوقات وہ لوگ بھی گرفتار ہو جاتے ہیں جو اِن معاصی میں مبتلا نہیں ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اس اُمت کے آخر زمانہ میں خسف ہوگا (زمین میں آدمیوں اور مکانوں کا دھنس جانا) اور مسخ ہوگا (کہ آدمی کتے اور بندر وغیرہ کی صورتوں میں ہو جائیں گے) اور قذف ہوگا (کہ آسمان سے پتھر برسنے لگیں گے)“ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اس حالت میں بھی ہلاک ہو سکتے ہیں کہ ہم میں صلحا موجود ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں‘ جب خباثت کی کثرت ہو جائے“۔ (اشاعت بروایت ترمذی وغیرہ)

خباثت کی کثرت کے وقت صلحاء کی موجودگی میں بھی عذاب ہوسکتا ہے۔ اور یہ ارشاد تو متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے وارد ہوا ہے کہ ”نیک کاموں کا آپس میں ایک دوسرے کو حکم کرتے رہو‘ اور بری باتوں سے روکتے رہو‘ ورنہ حق تعالیٰ شانہٗ تم پر اپنا عذاب مسلط کر دیں گے“۔ بعض احادیث میں اس کے بعد ارشاد ہے کہ ”اس وقت اگر دعائیں بھی کی جائیں گی تو قبول نہ ہوں گی“۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس جماعت میں کوئی ناجائز بات جاری ہو اور وہ جماعت اس کے روکنے پر قادر ہو اور نہ روکے تو مرنے سے پہلے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ اس جماعت کو کسی عذاب میں مبتلا فرما دیں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ایک مرتبہ کسی آبادی کو الٹ دینے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے

عرض کیا کہ اس آبادی میں فلاں بندہ ایسا ہے جس نے کسی وقت بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ ارشاد ہوا کہ یہ صحیح ہے' مگر میری وجہ سے کبھی بھی اس کی پیشانی پر بل نہیں پڑا۔ مطلب یہ ہے کہ میری نافرمانیاں ہوتے ہوئے دیکھ کر رنج اور غصہ بھی نہیں آیا کہ یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ (مشکوٰۃ' باب الامر بالمعروف)

غور کرو کہ اللہ جل جلالہ نے کس زور سے اس کے متعلق قرآن پاک میں تنبیہ اور ممانعت فرمائی' حتیٰ کہ اپنی طرف سے اور اپنے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو اعلانِ جنگ فرما دیا ہے جو سود کو نہ چھوڑیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ﴾ (البقرة:۲۷۹)

''پس اگر تم ایسا نہ کرو (یعنی سود کا بقایا روپیہ جو لوگوں کے ذمہ ہے نہ چھوڑ دو) تو انتباہ سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے۔''

چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں سود کے معاملات ہوتے تھے۔ اس لئے یہ حکم نازل ہوا کہ جن کا سود کا روپیہ لوگوں کے ذمہ باقی ہے وہ بھی اب ہرگز وصول نہ کریں' چہ جائیکہ از سرِنو سود لیں۔ احادیث میں کثرت سے اس پر وعیدیں آئی ہیں۔ کئی حدیثوں میں اس قسم کے ارشادات بھی وارد ہوئے ہیں کہ سود تہتر باب (گناہ کے) ہیں جن میں سے کم درجہ ایسا ہے جیسا کہ اپنی ماں سے کوئی زنا کرے اور بدترین سود (کے حکم میں سے) مسلمانوں کی آبروریزی کرنا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایسے گناہوں سے اپنے کو بچاؤ جن کی مغفرت نہیں ہے۔ ان میں سے سود بھی ہے۔ جو شخص سود کھاتا ہے وہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں پاگلوں کی طرح ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو گوشت سود کے روپے سے پرورش پاتا ہے وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

متعدد حدیثوں میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سود لینے والے پر' سود دینے والے پر' سودی روپے کی گواہی دینے والوں پر' سود کا معاملہ لکھنے والے پر لعنت کی ہے۔ جس پر رسول اللہ ﷺ لعنت کریں اس کا کیا حشر ہوگا! ایک حدیث میں ہے کہ جس قوم میں زناکاری اور سودخوری شائع ہو جائے اس قوم نے اللہ کے عذاب کے

واسطے اپنے کو تیار کر لیا ہے۔

ان ارشادات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب آج کل کے معاملات کو شرعی قواعد سے جانچو۔ کتنے معاملات ایسے ہیں جن میں سودی لین دین کھلم کھلا ہوتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ سود کو جائز بتایا جاتا ہے۔ اس کے جواز پر رسالے لکھے جاتے ہیں۔ کوئی غریب اس کے خلاف آواز اٹھائے تو اس پر جھوٹے سچے الزامات لگائے جاتے ہیں' اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس کی بات نہ سنی جائے۔ یہ ایک دو مثالیں میں نے اجمالی طور پر ذکر کی ہیں' ان کے علاوہ بقیہ احکامِ شرعیہ کو تم خود دیکھ لو' غور کر لو' جتنے احکام کرنے کے ملیں گے ان میں تغافل' تساہل بلکہ انکار ملے گا اور جتنے امور نہ کرنے کے ہوں گے' ناجائز ہوں گے' حرام ہوں گے' ان پر جرأت و بے باکی اور ان میں نہایت کثرت سے کھلم کھلا ابتلاء ملے گا۔ اول تو ان پر ٹوکنے والا' روکنے والا کوئی ملے گا نہیں' اور اگر کسی جگہ کوئی ایک آدھ پرانے خیال والا ملے گا تو اس کا جو حشر ہو رہا ہو گا وہ اظہر من الشمس ہے۔

ان خصوصی مثالوں کے بعد اجمالی طور پر اب میں چند حدیثیں صرف نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ ہم لوگوں نے پریشانیاں' حوادث' مصائب خود اکٹھے کئے ہیں' اس میں کسی کا کیا قصور ہے!

تباہی عام کرنے والے اعمال

اگر نبی کریم ﷺ کو مسلمان سچا سمجھتے ہیں تو ان کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ حضور ﷺ نے جس قسم کے اعمال پر جس قسم کے عذاب اور پریشانیوں کا مرتب ہونا ارشاد فرمایا ہے وہ ہو کر رہیں گے۔ اگر ہم ان سے بچنا چاہتے ہیں تو ان اعمال کو چھوڑ دیں۔ ہم لوگ آگ میں کود جائیں اور شور مچائیں کہ جل گئے اس سے کیا فائدہ! ان احادیث کا غور سے مطالعہ کرو اور کثرت سے دیکھا کرو۔

۱) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِذَا فَعَلَتْ اُمَّتِيْ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ)) قِيْلَ وَمَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ:

((اِذَا کَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّکٰوةُ مَغْرَمًا وَاَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَبَرَّ صَدِیْقَهٗ وَجَفَا اَبَاهُ وَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَکَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ وَاُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلُبِسَ الْحَرِیْرُ وَاتُّخِذَتِ الْقَیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَلْیَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِکَ رِیْحًا حَمْرَاءَ اَوْ خَسْفًا اَوْ مَسْخًا))

''حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب میری اُمت یہ پندرہ کام کرنے لگے تو اس پر بلائیں نازل ہونے لگیں گی''۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ پندرہ کام کون کون سے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''جب غنیمت کا مال ذاتی دولت بن جائے' امانت ایسی ہو جائے جیسے غنیمت کا مال' زکوٰۃ کا ادا کرنا تاوان سمجھا جائے (کہ جیسے تاوان ادا کرنا مصیبت ہوتا ہے ایسے ہی زکوٰۃ ادا کرنا تاوان مصیبت بن جائے)' بیویوں کی فرمانبرداری کی جائے اور ماں کی نافرمانی کی جائے' دوستوں و یاروں سے نیکی کا برتاؤ کیا جائے اور باپ کے ساتھ ظلم کا برتاؤ کیا جائے' مسجدوں میں شور و شغب ہونے لگے' رذیل لوگ قوم کے ذمہ دار سمجھے جائیں' آدمی کا اکرام اس وجہ سے کیا جائے کہ اس کے شر سے محفوظ رہیں (یعنی وہ اکرام کے قابل نہیں مگر اس وجہ سے اس کا اعزاز کیا جائے کہ وہ کسی مصیبت میں نہ مبتلا کر دے)' شراب علی الاعلان پی جائے' (مرد) ریشمی لباس پہنیں' گانے والیاں (ڈومنیاں کنچنیاں وغیرہ) کی جائیں' باجے بنائے جائیں (کہ عام طور پر سے استعمال کئے جائیں)' اُمت کے پہلے لوگوں (صحابہ' تابعین اور ائمہ مجتہدین) کو برا کہا جائے تو اُمت کے لوگ اس وقت سرخ آندھی اور زمین میں دھنس جانے اور صورتیں مسخ ہو جانے اس قسم کے عذابوں کا انتظار کریں!''

۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ((اِذَا اتُّخِذَ الْفَیْءُ دُوَلًا وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّکٰوةُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَیْرِ الدِّیْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَاَدْنٰی صَدِیْقَهٗ وَاَقْصٰی اَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِیْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَکَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ وَاُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقَیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَلْیَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِکَ رِیْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً

وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَآيَاتٍ تَتَابَعَ كَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْكُهُ فَتَتَابَعَ))
رواهما الترمذی وذکرهما فی المشکوٰة بروایته وذکر صاحب الاشاعة حدیث علی رضی الله عنه باطول منهما وفی مجمع الزوائد من حدیث عوف بنحوه ((وَقَعَدَتِ الطِّفْلَانُ عَلَى الْمَنَابِرِ وَاتُّخِذَ الْقُرْآنُ مَزَامِيرَ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب بیت المال کا مال ذاتی دولت بن جائے' امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے' زکوٰۃ تاوان بن جائے' علم کو دین کے واسطے نہ سیکھا جائے (بلکہ دُنیوی اغراض' مال و دولت اور وجاہت وغیرہ کے لئے سیکھا جائے)' بیوی کی اطاعت کی جائے اور ماں کی نافرمانی' یاروں سے قرب ہو اور باپ سے دُوری ہو' مسجدوں میں شور وشغب ہونے لگے' فاسق لوگ سردار بن جائیں' رذیل لوگ قوم کے ذمہ دار بن جائیں' برائی کے ڈر سے آدمی کا اعزاز کیا جائے' گانے والیاں اور باجے کھلم کھلا استعمال کئے جائیں' شرابیں پی جائیں اور اُمت کے پہلے لوگوں کو برا بھلا کہا جائے تو اُس وقت سرخ آندھی اور زلزلہ اور زمین میں دھنس جانے اور صورت مسخ ہو جانے اور آسمان سے پتھر برسنے کا انتظار کریں۔''

تیسری حدیث میں ان دونوں کے قریب قریب مضمون ہے اور یہ بھی ہے کہ کم عمر بچے ممبروں پر وعظ کہنے لگیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جن امور کو شمار کیا ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو اِس زمانہ میں نہایت شدومد سے شائع نہیں ہے؟ ایک ایک جزو کو اِن اجزاء میں سے لو اور دنیا کے حالات پر نظر کرو تو یہ معلوم ہوگا کہ ساری دنیا اسی میں مبتلا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت کا غلبہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس قوم کے دلوں میں دشمنوں کا خوف ڈال دیں گے' اور جس قوم میں زنا کی کثرت ہوگی اس قوم میں اموات کی کثرت ہوگی' اور جو جماعت ناپ تول میں کمی کرے گی اس کی روزی میں کمی ہوگی' اور جو جماعت حق کے خلاف فیصلے کرے گی اس میں قتل کی کثرت ہوگی اور جو لوگ بدعہدی میں مبتلا ہوں گے ان پر اللہ جل شانہٗ کسی دشمن کو مسلط فرما دیں گے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ (خاص

طور سے) متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا:

''اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے' اور خدا نہ کرے کہ تم ان میں مبتلا ہو' (تو ان کے عذاب مسلط ہو جائیں گے) ایک یہ کہ جس قوم میں فاحشہ (زنا وغیرہ) کھلم کھلا ہونے لگے اس میں طاعون اور ایسی نئی نئی بیماریاں ہوں گی جو پہلے کبھی نہ سنی ہوں گی' اور جو جماعت ناپ تول میں کمی کرے گی وہ قحط اور مشقت اور بادشاہ کے ظلم میں مبتلا ہوگی' اور جو لوگ زکوٰۃ روکیں گے ان سے بارش بھی روک لی جائے گی' اگر (بے زبان) جانور نہ ہوں تو ذرا بھی ان پر بارش نہ برسائی جائے (مگر جانوروں کی ضرورت سے تھوڑی بہت ہوگی)' اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑیں گے وہ دشمنوں میں گھر جائیں گے اور جو لوگ ناحق کے احکام جاری کریں گے وہ خانہ جنگی میں مبتلا ہوں گے''۔ (ترغیب)

اور یہ مضمون تو متعدد روایات میں آیا ہے کہ زنا کی کثرت فقر کو پیدا کرتی ہے۔ ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو قوم بدعہدی کرتی ہے اس میں آپس میں خونریزی ہوتی ہے' اور جس قوم میں فحش (زنا وغیرہ) کی کثرت ہوتی ہے اس میں اموات کی کثرت ہوتی ہے اور جو جماعت زکوٰۃ روک لیتی ہے' ادا نہیں کرتی' اس سے بارش روک لی جاتی ہے۔''

ایک حدیث میں ہے کہ جن لوگوں میں رشوت کی کثرت ہوتی ہے ان کے دلوں پر رعب کا غلبہ ہوتا ہے' (وہ ہر شخص سے مرعوب رہتے ہیں) حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ اس اُمت کی ہلاکت بدعہدی سے ہوگی۔ (درمنثور)

ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ: ''اس اُمت میں ایک جماعت رات کو کھانے پینے اور لہو ولعب میں مشغول ہوگی اور صبح کو بندر اور سور کی صورتوں میں تبدیل ہو جائے گی' اور بعض لوگوں کو زمین میں دھنس جانے کا عذاب ہوگا' لوگ کہیں گے کہ آج رات فلاں خاندان دھنس گیا اور فلاں گھر دھنس گیا' اور بعض لوگوں پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے جیسے کہ قوم لوط پر برسائے گئے تھے اور بعض لوگ

آندھی سے تباہ ہوں گے' اور یہ سب کیوں ہوگا؟ ان حرکتوں کی وجہ سے: شراب پینے کی وجہ سے' ریشمی لباس پہننے کی وجہ سے' گانے والیاں رکھنے کی وجہ سے' سود کھانے کی وجہ سے اور قطع رحمی کی وجہ سے''۔ (حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے) (درمنثور)

ایک حدیث میں ہے کہ جس طاعت کا ثواب سب سے زیادہ جلدی ملتا ہے وہ صلہ رحمی ہے' حتیٰ کہ بعض گھرانے والے گنہگار ہوتے ہیں لیکن صلہ رحمی کی وجہ سے ان کے مال بھی بڑھ جاتے ہیں اور اولاد کی بھی کثرت ہو جاتی ہے۔ اور سب سے زیادہ جلد عذاب لانے والے گناہ ظلم اور جھوٹی قسم ہیں کہ یہ مال کو بھی ضائع کرتے ہیں' اور عورتوں کو بانجھ کر دیتے ہیں (کہ اولاد پیدا نہیں ہوتی) اور آبادیوں کو خالی کر دیتے ہیں (درمنثور) یعنی اموات کی کثرت ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر گناہ کا عذاب حق تعالیٰ شانہٗ جب تک چاہتے ہیں مؤخر فرما دیتے ہیں لیکن والدین کی نافرمانی کا وبال بہت جلد ہوتا ہے' زندگی ہی میں مرنے سے پہلے اس کا وبال بھگتنا پڑتا ہے۔ (درمنثور)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم عفیف رہو تو تمہاری عورتیں بھی عفیف رہیں گی' تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو تو تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے گی۔ (درمنثور)

ذاتی نیکی عذاب سے نہیں بچا سکتی

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے' اور کتنے اہتمام سے فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: ''اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم لوگ نیک کاموں کا حکم کرتے رہو (لوگوں کو تبلیغ کرتے رہو) اور بری باتوں سے روکتے رہو' ورنہ حق تعالیٰ شانہٗ تم پر عذاب نازل فرمائیں گے اور تم لوگ اس وقت دعا بھی کرو گے تو قبول نہ ہوگی۔''

دوسری حدیث میں ہے کہ: ''تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیک کاموں کے کرنے کا حکم اور بری باتوں سے روکنا) کرتے رہو اس سے قبل کہ ایسا وقت آجائے کہ جس میں تم دعا کرو تو وہ بھی قبول نہ ہو''۔

ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ چند آدمیوں کے کسی (ناجائز) کام کے کرنے سے عام عذاب نازل نہیں فرماتے جب تک کہ ان لوگوں کے سامنے وہ کام کیا جائے اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں' اور جب یہ نوبت آ جائے تو پھر عام و خاص سب ہی کو عذاب ہوتا ہے۔ (در)

یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے آج کل نئی نئی آفات' زلزلے' طوفان' قحط' ریلوں کا ٹکرانا وغیرہ ایسے ایسے حوادث روزمرہ کے معمول ہو گئے ہیں جن کی حد نہیں' نئے نئے امراض' نئے نئے مصائب ایسے روز افزوں ہیں جو پہلے کبھی برسوں میں بھی پیش نہیں آتے تھے۔

عبادت و دعا کو بے اثر کرنے والے اعمال

اخبار بین حضرات اس سے بہت زیادہ واقف ہیں۔ اور چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بھی تقریباً بند ہے اس لئے دعاؤں کے قبول ہونے کی امید بھی مشکل ہے۔ نمازوں کے بعد دعاؤں کے اعلان کر دینے سے کیا کفایت ہو جبکہ دعا قبول نہ ہونے کے اسباب ہم خود اختیار کریں۔ بہت سی احادیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے اور بعض روایات میں تیسرا شخص یعنی جو درمیانی واسطہ رشوت دینے میں ہو' اس پر بھی لعنت وارد ہوئی ہے۔ (بشکریہ خدام الدین لاہور' ۱۲ نومبر ۱۹۸۲ء)

Matrimonial

Renowned Business Family in Pakistan(based in Lahore) looking for a compatible match for their Son,Software Engineer,Awan,27 years,Sunni,6Feet,Planning for a Liasion office in Europe/Canada needs a Compatible match from like minded families. The Girl (European/ Canadian Nationality) should be Master/ Graduate ,Sunni, Islamic Minded,Reasonable height and Caring. Parents having Priorities of Islamic Values for their daughter may contact:

C/o: Sardar Awan

36-K, Model Town,Lahore,Pakistan Tel: 5869501-2-3

email: anjuman@tanzeem.org